اللہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کیلئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت (یعنی معرفت حاصل) کریں

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ

کتابچہ نمبر 15

شاہراہِ معرفت

اکابر بالخصوص مجددین ﷺ کی تعلیمات کے تعارف کیلئے

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

مسترشد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

و خلیفہ مجاز دیگر اکابر رحمہم اللہ

ناشر : خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی

حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے علومِ شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت) سے کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 15

(ذی الحج۔1444ھ ، بمطابق الفتح ۔ 1401 شمسی ہجری)

(بمطابق جون-جولائی_2023ء)

زیرِ سرپرستی

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہٗ العالی

مقصد :اسلاف کی تحقیقات سے اُمّت کو آجکل کی سمجھ میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات

زین العابدین صاحب مدظلہٗ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

مکان نمبر 1/1991-CB ۔ بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ۔

گلی نمبر4۔اشرف لین نزد آشیانہ چوک۔اللہ آباد ۔ویسٹرج 3 ۔راولپنڈی

فہرستِ مضامین		
نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
1	دیباچہ	2
2	حمدِ باری تعالیٰ	4
3	نعتِ رسولِ اکرم ﷺ	5
4	عارفانہ کلام	7
5	مطالعہ سیرت بصورتِ سوال	8
6	خواتین کے لئے بیان	15
7	تعلیماتِ مجدّدِیہ	42
8	مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ	72
9	توضیح المعارف ﴿قسط چہارم﴾	90
10	خانقاہ کے شب و روز	106

دیباچہ

الحمد للہ، اللہ پاک کا لاکھ شکر ہے کہ جس کی توفیق سے شاہرائے معرفت کا پندرھواں شمارہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

سابقہ شماروں کی ترتیب کو برقرار رکھتے ہوئے اس شمارے کی ابتدا بھی حمد اور نعت شریف سے کی گئی ہے۔ اس کے بعد حج کی مناسبت سے ایک عارفانہ کلام شامل کیا گیا ہے۔

اس شمارے میں جو نثری مضامین شامل کیے گئے ہیں، ان میں پہلا مضمون "مطالعۂ سیرت" کے عنوان سے ہے۔ دوسرا مضمون حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتھم کا خواتین کے لیے کیا گیا ایک بیان ہے جس میں حضرت نے وقت کے تقاضے کے مطابق ذوالحج کے پہلے دس دنوں، حج اور قربانی کے بارے میں انتہائی قیمتی اور عملی باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

اس کے بعد حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتھم کی ایک نئی تصنیف "**توضیح المعارف**" میں سے درج ذیل عنوانات پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔

- **مجتہدین کرام کا کام۔**
- **اسلامی علماء کے ہاں نَسمَہ کی تہذیب سے متعلق علوم کے نام۔**
- **شریعتِ مطہرہ کی رہنمائی میں نَسمَہ کی قوتوں کی تہذیب کا تدریجی عمل۔**

اس کے بعد حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں سے ان مکتوبات شریفہ کا بیان ہے جن میں حضرت نے رمضان شریف کے فضائل و مسائل کو بیان فرمایا ہے۔ آخر میں حضرت کا مکتوب نمبر 123 شامل ہے جس میں حضرت نے ایک اصول بیان فرمایا ہے کہ نفل اور فرض میں سے فرض کو ہمیشہ مقدم رکھنا چاہئے اور کسی نفل کی وجہ سے فرض کی ادائیگی میں ہر گز سستی نہیں ہونی چاہیے۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں سے درس نمبر 12 شامل کیا گیا ہے، جس میں حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زہد و عشق کا بیان ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ شمارۂ ہذا کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اپنی کیفیات و آراء سے مطلع فرمائیں۔ اللہ کریم ہماری کامل اصلاح فرمائے اور ہمیں دائمی رضا سے نوازے۔ آمین۔

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

❁❁❁

حمدِ باری تعالیٰ

اگر ہو دل میں وہ ہر آن موجود

اگر ہو دل میں وہ ہر آن موجود
تو بننے کا ہو سب سامان موجود
نظر دل کی اٹھے کیوں دوسری جانب
جب سامنے اپنے ہو جانان موجود
اسے خطرہ لگا رہتا ہی ہوگا
جو غیر کا ہو کوئی میلان موجود
ذکر آئے گا محفل میں جو یار کا
نہ کیوں پھر دل میں ہو ہیجان موجود
شکر سے دل شبیرؔ کا کیوں نہ ہو پُر
ہے ہر جانب اس کا احسان موجود

کلام: حضرت اقدس سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم
تصنیف: کراماتِ قلب

❁❁❁

نعتِ رسول اکرم ﷺ

فارسی کلام حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

بمع منظوم اردو ترجمہ از

حضرت اقدس سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم

تصنیف: کراماتِ قلب

صبا بہ سوئے مدینہ رو کن از ایں دعاگو سلام برخواں
بگردِ شاہِ رسل بہ گرداں بصد تضرع پیام برخواں

بشو زِ من صورت مثالی نماز بگزار اندر آنجا
بہ لحن خوش سورۂ محمد ﷺ تمام اندر قیام بر خواں

بنہہ بچندیں ادب طرازی سر ارادت بخاک آں کو
صلوٰۃِ وافر بر روح پاک جناب خیر الانام برخواں

بہ باب رحمت گہے گزر کن بہ باب جبریل گہہ جبیں سا
سلام ربی علیٰ نبی گہے بہ باب السلام برخواں

بہ لحنِ داؤد ہمنوا شو بہ نالۂ درد آشنا شو
بہ بزم پیغمبر ایں غزل را ز عبدِ عاجز نظام برخواں

صبا مدینے کے رخ پہ جاکر پیش دعاگو کا سلام کرلو
شاہ رسل کے گرد پھر کر پیش عاجزی سے پیام کرلو

وہاں پہ صورت مثالی میرا بنا کے پڑھنا نماز اندر
پڑھ اس میں سورت محمد ساری، مزین اس سے قیام کرلو

ادب کی جا ہے سرِ ارادت مٹی پہ رکھنا ہے شوق سے واں پر
صلوٰۃِ وافر بر روحِ پاک جناب خیر الانام کر لو

بابِ رحمت سے کبھی گزر ہو تو بابِ جبریل پہ سر جھکا کر
سلام ربی نبی پہ کہنے رخ باب السلام کرلو

بہ لحنِ داوٗد ہمنوا ہو، نالۂ درد سے بھی آشنا ہو
بزمِ پغمبر میں پیش غزل از عبدِ عاجز نظام کرلو

کلام: حضرت اقدس شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

کتاب: پیغامِ محبت

❁❁❁

عارفانہ کلام

کعبے کا نور

کاش ہم جان لیں کعبے کا نور
پھر تو ہم لیتے رہیں اس سے ضرور
چلتے پھرتے ہیں باتیں کرتے ہیں
اپنی عادت سے ہوتے ہیں مجبور
جب یہاں سامنے کعبہ ہے تو
اس کو دیکھنے سے کیوں ہو پھر نفور
دل اگر اس کے ساتھ لگادیں تو
خود ہی محسوس کریں اس کا سرور
تجلی گاہ ہے ہر دم اس کا
جس کی تاب لا نہ سکے جبل طور
ہے شبیر دل کے بنانے کے لئے
مفید اس کا قرب اور حضور

کلام: حضرت اقدس سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم۔

تصنیف: کراماتِ قلب

❁❁❁

مطالعہ سیرت بصورتِ سوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ ۞

اَمَّا بَعْدُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞

سوال:

آپ ﷺ نے ذی الحج کے پہلے عشرے کے روزوں کی بہت فضیلت بیان فرمائی ہے خصوصاً نویں ذوالحج کے روزے کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے امید ہے کہ یہ ایک پچھلے سال اور ایک اگلے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ 9 ذی الحج کو یوم عرفہ بھی ہے۔ کیا آپ ﷺ نے جس سال حج کیا تھا اُس سال بھی آپ ﷺ نے 9 ذی الحج کا روزہ رکھا تھا؟ یعنی کیا حاجی کیلئے بھی 9 ذی الحج کا روزہ رکھنا مستحب ہے یا جو مسلمان حج کے لئے نہیں گئے صرف ان کے لئے یہ روزہ مستحب ہے؟

جواب:

در اصل ان ایام میں حج کی وجہ سے اور وہاں حاجی جو اعمال کر رہے ہیں ان کے ذریعے سے جو برکت ہے اس سے عام لوگ بھی مستفید ہو رہے ہیں؛ کیونکہ ہمارے پاس زمان موجود ہے، مکان نہیں ہے یعنی ان ایام کا جو زمان ہے وہ موجود ہے لیکن جس مکان کی وجہ سے یہ برکت ہے وہ مکان موجود نہیں ہے۔ حاجیوں کے پاس مکان موجود ہوتا ہے اور زمان بھی موجود ہوتا ہے۔ لہذا ان کو دو برکتیں حاصل ہیں، مکان کی بھی اور زمان کی بھی۔ اس وجہ سے مکان کی زیارت یعنی حج

اور ان اعمال کے اندر اگر مشقت بہت زیادہ ہو تو ایسی صورت میں اس روزے کی یہ فضیلت اگر رہ جاتی ہے تو کوئی مسئلہ نہیں ہوتا، لیکن رکھنا منع نہیں ہے۔ البتہ آپ ﷺ نے پوری امت کے لئے آسانی کی خاطر خود روزہ ترک کیا تھا، آپ ﷺ اونٹ کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ کو دودھ پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے دودھ پی لیا تاکہ امت کے لئے آسانی ہو، تو اب یہ آپ ﷺ کی سنت بن گئی ہے۔ لہذا آپ ﷺ کی سنت کی پیروی میں حاجیوں کے لئے اس مستحب عمل کو موخر کرنا جائز ہے۔ البتہ باقی جو لوگ وہاں نہیں ہیں ان کے لئے ایسا نہیں ہے، ان کے لئے فضیلت قائم ہے لہذا اگر وہ روزہ رکھتے ہیں تو جو فضیلت آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہے وہ اپنی جگہ موجود ہے۔ جیسے آپ ﷺ نے فرمایا ہے: 9 ذی الحج کو یوم العرفہ کے دن جو لوگ یہ روزہ رکھیں گے تو اس کا اجر ہزار روزوں کے برابر ہے یعنی گویا کہ اس نے ہزار روزے رکھ لئے، تو یہ تقریباً دو سال سے بھی زیادہ بنتے ہیں۔

دوسری بات آپ ﷺ نے یہ فرمائی ہے کہ میں اللہ پاک سے امید کرتا ہوں کہ یہ روزہ ایک گزشتہ سال اور ایک آئندہ سال کے گناہوں کے لئے کفارہ ہو جائے۔ چنانچہ باقی حضرات کے لئے یہ روزہ رکھنا بہت فضیلت کی بات ہے۔ اب ہم کون سی 9 ذی الحج کو روزہ رکھیں، وہاں حاجیوں کی نویں کو یا یہاں اپنے ملک کی تاریخ کے مطابق؟ تو علماء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے ہر ایک شخص پر نماز اس کے مقامی وقت کے مطابق فرض ہوتی ہے، مثلاً ظہر کی نماز یہاں کی ظہر کے وقت کے مطابق پڑھیں گے، حالانکہ اس وقت سعودی عرب میں تو ظہر کا وقت نہیں ہو گا۔ اسی طرح جب یہاں مغرب کا وقت ہوتا ہے تب مغرب پڑھیں گے لیکن مکہ مکرمہ میں تو وہ مغرب کا وقت نہیں ہو گا۔ تو جیسے ہم وہاں کے حساب سے نماز نہیں پڑھ سکتے اس طرح ہم وہاں کے حساب

سے یہ روزے بھی اور دیگر اعمال بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہاں مقامی وقت کے مطابق جو فتویٰ ہے ہم اس کے مطابق عبادات کریں گے۔ اس وجہ سے تمام فضیلتیں اس لحاظ سے ہیں۔ البتہ ابھی میں تحقیق کر رہا ہوں۔ کیونکہ ایک روایت ایسی بھی ہے کہ عرفات کے ساتھ متصل جو زمین ہے اس کو وہ برکت ملتی ہے جو عرفات میں ہے پھر اس سے جو متصل ہے اس کو ملتی ہے پھر جو اس سے متصل ہے اس کو ملتی ہے، یوں پوری دنیا میں وہ برکت پھیل جاتی ہے۔ اس لحاظ سے جو برکت حج کے دن کی ہے وہ باقی جگہوں پر بھی پھیل رہی ہے۔ لہذا ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ دعاؤں کے ذریعہ سے اس برکت کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ یعنی اگر وہاں آج حج کا دن ہے تو عرفہ شروع ہوتا ہے زوال سے، تو وہاں کا جو زوال کا وقت ہے اس وقت یہاں ہمارے ہاں تقریباً دو بجے کے کچھ بعد کا وقت ہوتا ہے۔ مثلاً یہاں آج زوال کا وقت 12:17 پر ہے تو وہاں 2 بج کر 17 منٹ پر زوال کا وقت شروع ہو گا۔ چنانچہ 2 بج کر 17 منٹ پر عرفات میں جو خصوصی رحمت اترنا شروع ہو جائے گی، اس رحمت کو حاصل کرنے کے لئے ہم اللہ کی طرف دعاؤں کے ذریعے سے متوجہ ہو جائیں اور دعائیں کرتے رہیں، کیونکہ وہاں تو لوگ ظہر اور عصر کی نماز پڑھنے کے بعد دعا کرتے ہیں اور وہ چونکہ اگر مسجد نمرہ میں پڑھیں تو دو نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے ہیں اور اپنے خیموں میں پڑھنے والے اپنے اپنے وقت کے مطابق پڑھتے ہیں۔ ہم لوگ زوال کا وقت شروع ہونے کے ساتھ ہی اس برکت کو حاصل کر سکتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ پاک کی طرف متوجہ رہیں کہ جو رحمت وہاں اتر رہی ہے اس میں ہمیں بھی حصہ مل جائے۔ اس وجہ سے میں درخواست کرتا ہوں کہ آج کے دن بھی کچھ دعائیں ہیں جو خصوصی طور پر میں آج خانقاہ کے وٹس ایپ گروپ میں پیش بھی کر چکا ہوں تاکہ سارے لوگ وہ دعائیں کر لیں۔ چنانچہ آج کے دن اور کل کے دن بالخصوص ہم

سب یہ دعا کریں کہ: ”اللہ تعالیٰ سب حجاج کے حج کو قبول فرمائے اور ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے، کمالِ ایمان کے ساتھ ہمیں کامل مغفرت نصیب فرمائیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو امتِ مسلمہ کے بالعموم اور اپنے ملک کے وسائل کو صحیح استعمال کرنے کی اور اپنے مسائل کو حل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) بالخصوص جو افراد اور ادارے اپنے ذاتی مفادات کے لئے ملک و قوم کی تباہی کا ذریعہ بن رہے ہیں سب کو سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور ہم میں سے ہر ایک کو دجالیت سے بچاتے ہوئے سنتوں اور طریقِ صحابہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔“

کم از کم یہ دعا ان اوقات میں ضرور مانگی جائے جیسے میں نے عرض کیا۔ چونکہ آج وہاں پر یوم العرفہ ہے۔ چنانچہ اس روایت کے لحاظ سے کہ زمین کا جو ٹکڑا دوسرے ٹکڑے سے متصل ہوتا ہے وہ اس کا اثر لیتا ہے، آج وہ اثر پوری دنیا میں تقسیم ہو گا۔ اس لحاظ سے وہاں زوال کے بعد آنے والی اس رحمت کی طرف متوجہ ہو کے ہم اللہ پاک سے دعا کر لیں کہ اللہ پاک ہم سب کو دائمی طور پر کامل ایمان نصیب فرمائے جو پھر کبھی زائل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو کمالِ معرفت نصیب فرمائے۔ کیونکہ عبدیت اور معرفت ہی کے لئے تصوف ہے، ہم لوگ اسی کی کوششیں کرتے ہیں کہ ہمیں عبدیت حاصل ہو اور اللہ کی معرفت حاصل ہو۔ ان میں معرفت کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور عبدیت کا تعلق نفس کے ساتھ ہے۔ تو ہم نفس کو قابو میں کر لیں اور اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں، اس چیز کی خصوصی دعا کر لیں۔

نیز اپنے گناہوں پہ استغفار ہو کہ جو گناہ ہم کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ وہ معاف کر دے اور ہم صحیح دل سے توبہ کر لیں اور اجتماعی طور توبہ بھی پر کریں۔ کیونکہ ایک ہوتے ہیں انفرادی اعمال اور ایک ہوتے ہیں اجتماعی اعمال۔ اجتماعی اعمال میں چیز کا اثر بڑھ جاتا ہے، جیسے ایک اور ایک گیارہ

ہوتے ہیں۔ لہٰذا اجتماعی گناہ بھی بہت خطرناک ہوتا ہے اور اجتماعی اجر بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ حج کے موقع پر اللہ پاک کی جو خصوصی رحمت اترتی ہے تو وہ اس اجتماع کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح عید کے دن جو نماز عید پڑھتے ہیں اور اس وقت جو اللہ پاک کی خصوصی رحمت اترتی ہے وہ بھی اس اجتماع کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا اس اجتماعیت کا بہت بڑا اثر ہے، مثبت بھی اور منفی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اخیر میں جب دجالیت ہو گی تو یہ منفی اجتماعیت ہو گی اور جو ہدایت کا سامان اللہ پاک نے امام مہدی علیہ السلام کے ذریعہ سے کیا ہو گا وہ بھی اجتماعی صورت میں ہو گا۔ لہٰذا جو بھی امام مہدی علیہ السلام کے اس گروہ میں شامل ہو گا اس کے اوپر اللہ پاک کی خصوصی رحمت ہو گی اور جو دجال کے ساتھ ہو گا اس پر تباہی و بربادی کی خصوصی نحوست طاری ہو جائے گی۔ لہٰذا اِس وقت چونکہ حج بالخصوص اجتماعی عمل ہے تو اس پر خصوصی توجہ کر کے ہمارے اجتماعی مسائل کو حل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ اور ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنے ذاتی مفادات کے لئے ملکی مفادات کو قربان کر لیتے ہیں، ملّی مفادات کو قربان کر لیتے ہیں جس سے ان کا شر بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے اور بہت متعدی ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے بالخصوص اس کے لئے توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔

توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہوتا ہے، اگر کسی پر اللہ پاک کا فضل ہو جائے اور توبہ کی توفیق ہو جائے اور موت سے پہلے پہلے گناہ معاف ہو جائیں تو اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے! اس وجہ سے اس سلسلے میں ہمیں خصوصی طور پر تو آج بھی دعائیں کرنی چاہئیں وہاں کی نسبت کے لحاظ سے، اور ہمارے یہاں کی نسبت کے لحاظ سے ہم کل یہ دعا کریں گے۔ لہٰذا کل کا دن تو سارے کا سارا ہمارا یوم العرفہ ہے، یہاں دن کے لحاظ سے ہماری برکت ہے۔ اور وہاں مقام

اور دن دونوں کے لحاظ سے برکت ہے۔ لہٰذا جیسے ہم صبح سے ہی تکبیرات شروع کرتے ہیں اس طریقے سے اس کے بعد ہم دعائیں بھی شروع کر لیں اور اللہ پاک کی طرف متوجہ ہو جائیں بالخصوص اس دن جو مسنون اعمال ہیں وہ کریں۔ مثال کے طور پر سب سے پہلے رات کے خاتمے پر تہجد کی نماز پڑھ لیں اور ﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ (الذاریات:18) (ترجمہ: اور سحری کے اوقات میں وہ استغفار کرتے تھے) کے مطابق اس وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کر لیں۔ چنانچہ ہم بھی بہت زیادہ کثرت کے ساتھ استغفار اور توبہ کر لیں۔ پھر فجر کی نماز میں تکبیرات شروع ہو جائیں گی، نماز فجر کے بعد ہم اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں، اشراق تک اپنی جگہ پر بیٹھیں اور دینی محفل میں بیٹھیں یا دینی کاموں میں بیٹھیں اور ذکر کرتے ہوئے اللہ پاک کی طرف متوجہ رہیں اور پھر اشراق کے نفل پڑھ لیں۔ یہ مسنون اعمال ہیں یعنی یہ نفل ہیں، لیکن مسنون طریقے سے ہیں اور پھر اس کے بعد چاشت تک جو وقت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں، لیکن چاشت کی نماز نہ بھولیں، چاشت کی نماز پڑھ لیں، کیونکہ یہ مسنون نماز ہے۔ اس کے بعد پھر ہم زوال کے بعد والی چار رکعات پڑھ لیں، پھر عصر سے پہلے چار رکعات نفل جو سنتِ عصر کہلاتی ہیں وہ پڑھ لیں اور پھر مغرب کے بعد اوّابین پڑھ لیں، پھر عشاء سے پہلے چار رکعات سنت پڑھ لیں، پھر عشاء کے بعد جو نفل پڑھے جاتے ہیں وہ پڑھ لیں، چنانچہ وہ نوافل جن کا تعلق کسی مسنون عمل کے ساتھ ہے ان کی value (قدر و قیمت) بہت زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی نفل پڑھے جاسکتے ہیں۔ پھر قرآن پاک کی تلاوت ہے۔ بالخصوص ذکر ہے، جیسے "سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" کثرت کے ساتھ پڑھ لیں، درود شریف پڑھیں، قرآن پاک کی تلاوت کریں

اور اللہ پاک سے اپنے لئے مغفرت کی اور قبولیت کی دعائیں کرتے رہیں اور ہدایت کی دعائیں کرتے رہیں۔ بہر حال عید کے دن "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" کثرت کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❁❁❁

خواتین کے لئے بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (الصّٰفّٰت:102)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

معزز خواتین و حضرات!

الحمدللہ ذی الحج کے ایام شروع ہو چکے ہیں۔ ذی الحج کا پہلا عشرہ انتہائی قیمتی عشرہ ہے۔ احادیث شریفہ میں اس عشرہ کے بارے میں کچھ خصوصی بات کی گئی ہے۔ میں اکثر یہ حدیث شریف ذکر کرتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ لوگ اس کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ حالانکہ اس حدیث میں ایامِ ذی الحج کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔ لیکن جتنی باتیں دوسری اُن چیزوں کے بارے میں کی جاتی ہیں جو فضیلت کے اعتبار سے ایامِ ذی الحج کے بعد آتی ہیں، اتنی بات اس کے بارے میں نہیں کی جاتی۔ لہٰذا اس کے بارے میں بات کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ احادیث شریفہ میں جس چیز کی فضیلت آئی ہوتی ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسے بیان کیا جائے تاکہ لوگ اس

سے بروقت فائدہ اٹھائیں۔ اگر وقت گذرنے کے بعد پتا چلے تو پھر کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ہمیں اس کا بہت اہتمام کرنا چاہئے کہ جو بات بتانی ہو اسے وقت پہ بتا دیں۔ پہلے میں احادیث شریفہ عرض کرتا ہوں تاکہ مضمون سمجھ میں آجائے اور معلوم ہو جائے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ پھر آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس پر بات کرنا کتنا ضروری ہے۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"مَا مِنْ اَيَّامٍ اَحَبُّ اِلَى اللهِ اَنْ يُّتَعَبَّدَ لَهٗ فِيْهَا مِنْ عَشْرِ ذِيْ الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِّنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَ قِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ"(سنن ترمذی:رقم الحدیث:758)

صَومُ عَرَفَةَ الَّتِيْ قَالَ فِيْهَا عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ:

"صِيامُ يوْمِ عَرَفَةَ: أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبلَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِيْ بَعدَهٗ"(صحیح مسلم:رقم الحدیث:1162)

پہلی حدیث شریف سنن ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے اور دوسری حدیث شریف مسلم شریف کی روایت ہے۔ یہ تینوں کتابیں صحاح ستہ میں سے ہیں۔ عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت کے بارے میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کو ذی الحج کے پہلے عشرہ میں عبادت جتنی محبوب ہے اس کے علاوہ دوسرے دنوں میں اتنی زیادہ محبوب نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ عشرۂ

ذی الحجہ میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ اور نویں ذی الحج کے روزے کے بارے میں فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ یہ روزہ ایک سالِ گذشتہ اور ایک سالِ آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

دس ذی الحجہ کو روزہ نہیں رکھا جا سکتا کیونکہ وہ عید کا دن ہے۔ عید الفطر میں ایک دن روزہ رکھنا حرام ہے اور عید الاضحیٰ میں تین دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ تین دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی کے دن ہیں۔ اس مہمانی سے فائدہ اٹھانا واجب ہے۔

اس تفصیل سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ عشرۂ ذی الحج کے ایام اور راتوں کی کیا فضیلت ہے۔ ہمیں باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ اس فضیلت کو پانے کے لئے اعمال کرنے چاہئیں۔ پہلے سے اپنے آپ کو تیار کرنا چاہئے۔ جیسے کسی اہم کام کے لئے آدمی پہلے سے تیاری کرتا ہے تاکہ یہ کام مجھ سے رہ نہ جائے۔ اسی طرح عشرۂ ذی الحج کے لئے اچھی طرح تیاری کرنی چاہئے۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ احادیث شریفہ میں شوال کے روزوں کی فضیلت بھی آئی ہے کہ جو شخص یہ چھ روزے رکھ لے تو ایسا ہے جیسے اس نے پورا سال روزے رکھے۔ گویا شوال کے چھ روزے رکھنا پورے سال کے روزے رکھنے کے برابر ہے۔ جس میں دس مہینے رمضان شریف کے ہو گئے۔ کیونکہ رمضان شریف میں دس گنا اجر ملتا ہے۔ اور چھ روزے ہوں تو چھ ضرب دس کرنے سے ساٹھ دن ہو گئے اور ساٹھ دن کے حساب سے دو مہینے ہو گئے۔ دو مہینے یہ اور دس مہینے رمضان شریف والے، یہ کل بارہ مہینے ہو گئے۔ یہ بھی بہت بڑی بات ہے۔ لیکن عشرۂ ذی الحج میں ایک

روزے کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر فرمایا گیا ہے اور یوم العرفہ کے روزے کو دو سال کے گناہوں کا کفارہ فرمایا گیا ہے۔ اس لحاظ سے عشرۂ ذی الحج کے روزوں کا ثواب زیادہ ہے۔

ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ عشرۂ ذی الحج کا کوئی روزہ ہم سے نہ رہ جائے۔ البتہ یہ خیال رہے کہ یہ روزے نفلی ہیں، واجب و فرض نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ روزے نہ رکھے اور ان کا درجہ کم نہ سمجھے تو کوئی مسئلہ نہیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کو کسی اور ذریعے سے دے رہا ہو، وہ کوئی اور نفلی کام کر رہا ہو۔ لہٰذا ان دنوں میں روزے نہ رکھنے والوں کے بارے میں کوئی غلط بات نہ سوچیں لیکن کم از کم خود تو حاصل کر لیں۔ کیونکہ یہ روزے مستحب ہیں۔ مستحب کا معنی "پسندیدہ" ہے۔ یہاں پسندیدہ سے مراد ہے: اللہ کا پسندیدہ عمل۔ اللہ کے پسندیدہ عمل کو کوئی کم درجہ نہیں کہہ سکتا۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ان کو ہم پسندیدہ ہی سمجھ کر پسند کر لیں اور ان کا اہتمام کریں۔ البتہ چونکہ یہ فرض و واجب نہیں ہیں اس وجہ سے جو لوگ یہ روزے نہ رکھیں ان پہ کوئی ملامت نہیں ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھنی چاہئے۔

ذی الحج کا مہینہ بہت سارے فضائل لئے ہوئے ہے۔ پہلے عشرہ کی فضیلت کے بارے میں تو بتا دیا گیا۔ اس ماہ کی ایک اور بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس میں حج ہوتا ہے اور حج کی فضیلت ہمیں معلوم ہے۔ حج نہ کرنے والے کے بارے میں ایک وعید یہ آئی ہے کہ اگر کسی شخص پر حج فرض ہو جائے اور وہ سارے اسباب مہیا ہونے کے باوجود حج نہ کرے، یہاں تک کہ فوت ہو جائے تو اللہ پاک فرماتے ہیں: مجھے کوئی پروا نہیں کہ وہ یہودی مرتا ہے یا عیسائی مرتا ہے۔ اسی سے اندازہ

لگالیں کہ حج کا عمل کتنا مہتم بالشان ہے۔ جب کسی کی انتہائی قیمتی چیز ضائع ہو رہی ہو تو اس پر وعید سنائی جاتی ہے۔

حج ایک ایسا عمل ہے کہ اس کے اندر جو کچھ ملتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں مل سکتا۔ مثلاً تہجد کی نماز آپ کو ہر جگہ مل سکتی ہے۔ جہاں پر بھی آپ تہجد کی نماز پڑھیں کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ قرآن پاک کی تلاوت ہر جگہ کر سکتے ہیں۔ آپ روزہ رکھنا چاہیں تو کسی بھی جگہ رکھ سکتے ہیں۔ رمضان شریف گذارنا چاہیں تو ہر جگہ رمضان آتا ہے۔ زکوٰۃ بھی ہر جگہ ادا کی جاسکتی ہے۔ لیکن حج ایک ایسا کام ہے جو صرف ایک جگہ پر ہو سکتا ہے۔ اس جگہ کے علاوہ باقی جگہوں پہ نہیں ہو سکتا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دور کا واقعہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا: اگر میں کوئی ایسا عمل نہ کروں جو دنیا میں کسی اور نے نہ کیا ہو تو تجھے طلاق۔ کہنے کو تو کہہ بیٹھا لیکن جب سوچا کہ ایسا کون سا عمل کیا جائے تو کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ علماء کرام کے پاس مسئلہ لایا گیا۔ علماء کرام سوچ سوچ کے حیران ہو گئے کہ ایسا کون سا عمل ہو گا۔ آخر کار امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مسئلہ پیش کیا گیا تو امام صاحب نے فرمایا کہ اس کے لئے مطاف خالی کیا جائے اور یہ طواف کرلے۔ طواف صرف خانہ کعبہ میں ہی ہو سکتا ہے کسی اور جگہ نہیں ہو سکتا۔ جب خالی مطاف میں یہ اکیلا طواف کرے گا اس وقت یہ کام کسی اور جگہ نہیں ہو رہا ہو گا۔ اس طرح اس کی بات پوری ہو جائے گی اور اس کی بیوی پر طلاق نہیں پڑے گی۔

حج کے اعمال کسی اور جگہ نہیں ہو سکتے۔ یہ صرف ایک ہی جگہ ہو سکتے ہیں۔ اس جگہ کی بڑی عظمت ہے۔ اس کی اپنی ایک شان ہے۔ اللہ پاک نے اس مقام کو اتنی زیادہ فضیلت دے رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص وہاں تجارت کے لئے بھی چلا جائے اور نماز پڑھ لے تو اسے بھی ایک لاکھ نمازوں کا اجر ملے گا۔

یہ بات یاد رکھئے کہ شیطان بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا۔ جب اللہ پاک نے اتنا زیادہ اجر رکھا ہے تو شیطان بھی اپنا کام کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے جو وہاں رہتے ہیں اور کوشش کرتا ہے کہ وہ لوگ وہاں کی فضیلت سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ اس لئے کئی لوگ جو وہاں رہتے ہیں ان کے اندر طلب ہی نہیں رہتی۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مدتوں حرم شریف نہیں جاتے حالانکہ ادھر ہی رہتے ہیں۔ ان سے وہ طلب ہی نکل چکی ہوتی ہے۔ اللہ معاف فرمائے کچھ لوگ تو ایسے بھی ہیں جو کچھ اور ہی ارادوں سے وہاں جاتے ہیں۔ مثلاً جیب کترے بھی ادھر ہی ہوتے ہیں۔ حاجیوں پر ظلم کرنے والے لوگ بھی وہیں پر ہوتے ہیں۔ اس سے اندازہ کر لیں کہ بات کہاں سے کہاں تک چلی جاتی ہے۔ دراصل شیطان ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ وہ ہمارا "**عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ**" (کھلا دشمن) ہے۔ وہ ہمیں ہر اس چیز سے روکے گا جس میں ہمارا فائدہ ہو گا۔

ہمارے ایک پیر بھائی نے ایک بہت اچھی بات کی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ حج سے پہلے انسان اپنی اصلاح کر لے پھر حج کا مزہ ہے۔ کیونکہ وہاں کی برکات حاصل کرنے کے لئے دل کی اپنی ایک خاص حالت ہونی چاہئے۔ دل میں طلب ہونی چاہئے۔ احتیاط ہونی چاہئے۔

وہاں کے پروٹوکول کو علم کے لحاظ سے سمجھنا چاہئے اور عمل کے لحاظ سے اپنے اندر ڈھالنا چاہئے۔ دل میں ادب ہونا چاہئے۔ اگر دل میں ادب نہ ہو تو بعض دفعہ انسان فائدہ کی جگہ نقصان کر لیتا ہے۔ وہاں کی بے ادبی و گستاخی اور غفلت کرنے سے نقصان ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ حج پہ جا رہے ہیں وہ اپنی نیت کو درست کر لیں اور کم از کم اتنی اصلاح ضرور کر لیں کہ وہاں جانے پر بے ادبی کی وجہ سے جو مسائل ہو سکتے ہیں وہ پیش نہ آئیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اتنے کم دنوں میں مکمل اصلاح ہو جائے گی۔ بلکہ بات یہ ہے کہ اصلاح دو قسم کی ہے۔ ایک اصلاح یہ ہے کہ جو کام انسان کے کرنے کے ہیں، جو اللہ پاک کے پسندیدہ کام ہیں وہ بغیر تکلف کے ہونے لگیں اور جن کاموں سے اللہ پاک ناراض ہوتے ہیں ان کاموں سے ایسے نفرت ہونے لگے جیسے پاخانے سے نفرت ہوتی ہے۔ یہ اصل اصلاح ہے لیکن یہ بڑی مدت میں ہوتی ہے۔ یہ آسان نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ دوسری اصلاح یہ ہے کہ انسان کم از کم یہ سمجھ جائے کہ میں ایک بہت بڑا کام کرنے جا رہا ہوں۔ اس میں بے شک مجھے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو میں نے اس کو ویسے ہی کرنا ہے جیسے اللہ چاہتا ہے۔ اس بات کا پکا ارادہ کر لے۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ عادی نہیں ہے اور ابھی اس کی مکمل اصلاح نہیں ہوئی، اس لئے اُسے اس کام میں یقیناً مشقت ہو گی۔ لیکن کم از کم اس کی عقل اپنی جگہ پر ہو اور اس لحاظ سے وہ اپنے اوپر پابندی لگا دے کہ جن کاموں سے خطرہ ہے وہ میں نے نہیں کرنے۔ ان سب کاموں سے کوشش کر کے بچے۔ اگر حج سے پہلے یہ چیز حاصل ہو جائے تو الحمد للہ یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر کوئی اپنی یہ اصلاح کر لے تو اسے ہم اخیار کہتے ہیں۔ یہ شخص کم از کم اخیار میں سے تو ہو ہی سکتا ہے۔ اگر ہم اس چیز کا التزام کر لیں تو اس کا ہمیں بہت فائدہ ہو گا۔ اپنے آپ کو اخیار کے زمرے میں لے آئیں اور یہ سوچیں کہ میں بہت بڑی جگہ

جانے والا ہوں۔ مجھے وہاں کے حالات کے مطابق اپنے آپ کو سنوارنا ہے۔ وہاں کے تمام تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ اس میں مشقت ضرور ہو گی لیکن اس مشقت پر اجر بھی ملے گا۔ اس کے ساتھ یہ عزم بھی کریں کہ ہم ان موانع سے بھی بچیں گے جن کی وجہ سے اس کے حج کو نقصان ہو سکتا ہے۔ کم از کم اتنا کرنا ضروری ہے۔

اس ماہ میں ایک تو یہ بات ہے کہ یہ حج کا مہینہ ہے۔ اس میں حج ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مقبول حج نصیب فرمائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ مہینہ قربانی کا بھی ہے۔ جو لوگ حج پہ نہیں جا رہے اور ان پہ قربانی واجب ہے تو انہیں قربانی بھی کرنی ہے۔ قربانی بھی بہت فضیلت والی چیز ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ قربانی کے تین ایام (دس، گیارہ، اور بارہ ذی الحج) میں قربانی کرنے سے زیادہ کوئی اور عمل اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ نہیں ہوتا۔ اس سے قربانی کی فضیلت بھی سامنے آ گئی۔

قربانی کے مسائل سیکھنا، قربانی کے فضائل جاننا، قربانی کو صحیح طریقے سے ادا کرنا، اس کے اندر جو روحانیت ہے اسے محسوس کرنا اور اس کے مطابق سارے اعمال کرنا، یہ بھی بہت ضروری ہے۔ اب اس بارے میں کچھ عرض کروں گا۔ قرآن پاک کی جو آیت کریمہ میں نے پڑھی ہے سب سے پہلے اس کا ترجمہ عرض کرتا ہوں۔ اللہ پاک نے فرمایا:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الصّٰفّٰت:102)

ترجمہ: "پھر جب وہ لڑکا ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو انھوں نے کہا: بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں، اب سوچ کر بتاؤ، تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے"۔

یہ بڑا عجیب واقعہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام انبیاء میں بہت اونچا ہے۔ آپ علیہ السلام ابو الانبیاء بھی ہیں۔ خلیل اللہ بھی ہیں۔ اللہ جل شانہ نے انہیں طرح طرح سے آزمایا، وہ ہر دفعہ کامیاب ہوئے اور لوگوں کے لئے مثال بن گئے۔ جس واقعہ کا درج بالا آیات میں ذکر ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ حضرت بی بی ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے دودھ پیتے بچے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کو مکہ کی لق و دق پہاڑیوں کے اندر گھری ہوئی زمین میں لے جائیں اور وہاں چھوڑ دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو لے گئے اور بتایا بھی نہیں کہ کس لئے لے جا رہا ہوں۔ وہاں پر انہیں توشہ دے دیا اور خود واپس چل پڑے۔ اب حضرت ہاجرہ علیہا السلام حیران ہیں کہ ہمیں کہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ ہمیں کہاں چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ اللہ کی طرف سے جواب کی اجازت نہیں تھی۔ امتحان، امتحان ہوتا ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے پہلے تو خود پوچھا، پھر ان کے ذہن میں خود ہی یہ بات آئی کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور اللہ کا نبی کوئی کام اللہ کے حکم کے بغیر نہیں کرتا۔ اللہ نے حکم دیا ہو گا تبھی ہمیں یہاں چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اجازت مل گئی کہ سر کے اشارے سے جواب دے سکتے ہیں۔ انہوں نے سر کے اشارے سے "ہاں" کر دی۔ اب ہاجرہ بی بی کو پتا چل گیا کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف

سے ہے۔ اس پر ان کی زبان سے ایک تاریخی فقرہ نکلا۔ انہوں نے فرمایا: ٹھیک ہے اگر اللہ کی طرف سے حکم ہے تو آپ جاسکتے ہیں "اللہ پاک ہمیں ضائع نہیں فرمائیں گے"۔ یہ وہ بھروسہ ہے اللہ تعالیٰ پر، جس کی مثال شاید ہی ملے۔ جیسے مومنِ آلِ فرعون نے کہا تھا:

﴿وَأُفَوِّضُ أَمْرِيٓ إِلَى ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بَصِيرٌۢ بِٱلْعِبَادِ﴾ (المؤمن:44)

ترجمہ: "اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ سارے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے"۔

یہی بات حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اپنے الفاظ میں فرمائی کہ اللہ پاک ہمیں ضائع نہیں فرمائیں گے۔ یہ صرف ایک قول نہیں تھا بلکہ ایک حال تھا جو ان پہ گذر رہا تھا۔ یہ ان کا حقیقی حال تھا کہ اس وقت ان کے سامنے اللہ کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں رہا تھا۔ جس پر ایسے حالات پیش نہ آئے ہوں اور وہ صرف یہ قول نقل کر رہا ہو تو ایک الگ بات ہے اور جس پر یہ حالات پیش آرہے ہوں، ایسے میں وہ پختہ یقین کے ساتھ یہ کہے کہ اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا تو یہ ایک الگ بات ہے۔ اس میں ایمان کی پختگی اعلیٰ درجہ کی ہے۔ دونوں باتیں ایک جیسی نہیں ہوسکتیں۔

خیر اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تھوڑا دور جاکر باقاعدہ دعا کی کہ اے اللہ! میں یہاں اپنے گھر والوں کو چھوڑ رہا ہوں (ان کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا)۔ دعا کے بعد وہاں سے تشریف لے گئے۔ ادھر ہاجرہ بی بی کے پاس موجود توشہ ختم ہوگیا۔ پانی بھی ختم ہوگیا۔ ماں کا دودھ بھی ختم ہوگیا۔ ایسی صورت میں مائیں اپنی پروا نہیں کرتیں۔ اپنے سے زیادہ اپنے بچوں کی فکر کرتی ہیں۔ وہ بہت پریشان ہوئیں کہ پیاسے بچے کو پلانے کے لئے پانی کہاں سے لاؤں۔ جس جگہ پر وہ

اس وقت موجود تھیں۔ وہاں ایک طرف صفا کی پہاڑی ہے دوسری طرف مروہ کی پہاڑی ہے۔ صفا کی پہاڑی پہ چڑھ کے دیکھا کہ ممکن ہے کوئی قافلہ آرہا ہو جس سے پانی مل جائے۔ وہاں سے کوئی نظر نہیں آیا۔ پھر دوڑ کے مروہ پہاڑی کی طرف گئیں کہ ممکن ہے وہاں کچھ نظر آجائے۔ وہاں بھی کچھ نہ ملا۔ اس طرح پانی کی تلاش کرتے کرتے مروہ سے صفا کی طرف اور صفا سے مروہ کی طرف دوڑتی رہیں یہاں تک کہ سات چکر پورے ہو گئے۔ ساتویں چکر پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف نظر دوڑائی تو دیکھا کہ ان کے پیروں کے نیچے سے پانی کے آثار نظر آرہے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے پیر زمین پر مار رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سے پانی نکلوا دیا۔ ہاجرہ بی بی نے پانی دیکھا تو دوڑ کے آئیں اور پانی کے ارد گرد رکاوٹ لگائی تاکہ وہ جمع ہو جائے اور سارا بہہ نہ جائے۔ وہ پانی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں: زَمْ زَمْ۔ زَمْ زَمْ۔ رک جا۔ رک جا۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر انہوں نے یہ نہ فرمایا ہوتا تو یہ پانی دنیا کے آخری سرے تک پہنچ جاتا۔ اب بھی آبِ زم زم ہر جگہ ہی پہنچ جاتا ہے۔ شاید ہی دنیا میں کوئی جگہ ایسی ہو جہاں آبِ زم زم نہ پہنچتا ہو۔ میں امریکہ گیا تھا۔ جس جگہ پر ٹھہرا ہوا تھا وہاں عرب حضرات کے ساتھ میری دوستی ہو گئی۔ انہوں نے مجھے ایک پاؤ کے لگ بھگ مدینہ منورہ کی کھجور اور زم زم کا پانی دیا۔ میں نے سوچا: سبحان اللہ۔ امریکہ میں مجھے اس سے بڑی اور کیا دولت مل سکتی ہے۔

مکہ مکرمہ میں یہ جو ہر جگہ سے لوگ آتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر بھی موجود ہے کہ اس شہر میں لوگ بہت دور دور سے دبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں گے۔ اور فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ آئیں گے وہ اپنے ساتھ زم زم کا پانی لے جائیں گے۔ اس طرح ہر جگہ زم زم کا پانی پہنچ رہا ہے۔ اب تو لوگوں کے ذریعے پہنچ رہا ہے اگر حضرت ہاجرہ علیہا السلام "زم زم" نہ فرماتیں تو کسی

ذریعہ کے بغیر ہی پہنچ جاتا۔ بہر حال انہیں پانی مل گیا، انہوں نے پانی کے ارد گرد رکاوٹ بنالی اور ایک حوض سا بن گیا۔ اب وہ اسی کو استعمال کرنے لگیں۔ عرب کے لوگ صحرا نشین تھے۔ صحرا نشین لوگ جانتے ہیں کہ پانی کدھر ہوتا ہے کیونکہ یہ ان کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ ایسی جگہ جہاں پر پانی ہو، اس کے آس پاس پرندے اڑتے رہتے ہیں کیونکہ پرندوں کو بھی پانی کی ضرورت ہے۔ پرندوں کے لئے تو کوئی رکاوٹ نہیں ہے وہ تو اڑ کر پانی والی جگہ پر چلے جاتے ہیں۔ جب پرندوں کو پانی کی نشانی مل جائے تو پانی کے آس پاس جمع ہونے لگتے ہیں۔ اتفاقاً قبیلہ جرہم کے لوگ اس طرف آرہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس جگہ پرندے جمع ہیں۔ اس سے انہوں نے اندازہ لگایا کہ ضرور اس طرف پانی ہے۔ اس جگہ کو تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پانی موجود ہے۔ اس پانی کے حوض کے پاس ایک خاتون اور ایک بچہ ہے۔ وہ شریف لوگ تھے انہوں نے اجازت مانگی کہ کیا ہم پانی استعمال کر سکتے ہیں اور یہاں ٹھہر سکتے ہیں؟ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اپنی کچھ شرائط رکھیں کہ اگر یہ شرائط منظور ہوں تو ٹھہر سکتے ہو۔ انہوں نے شرائط منظور کر لیں اور وہیں ٹھہر گئے۔ پھر وہاں ان کا رہنا سہنا ہو گیا۔ آبادی ہو گئی۔ قبیلہ جرہم کے لوگ وہیں پر سکونت پذیر ہو گئے۔ اس طرح مکہ مکرمہ کی ابتدا ہوئی۔ بعد ازاں اسی قبیلہ میں ان کی شادی ہوئی۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہوئے اور چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب کے ذریعے اشارہ ہوا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ میں اسماعیل کو ذبح کر رہا ہوں۔ نبی کا خواب وحی ہوتا ہے۔ انہوں نے سوچا یہ تو اللہ کا حکم ہے۔ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے لے کر جانے لگے۔ شیطان کو بڑی فکر ہو

گئی کہ یہ تو بہت بڑا واقعہ ہونے والا ہے۔ وہ ہاجرہ بی بی کے پاس آ کر کہنے لگا کہ آپ کو پتا ہے کہ آپ کے بیٹے کو کدھر لے جا رہے ہیں؟ یہ تو اسے ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: جا دفع ہو جا۔ بھلا کوئی باپ بھی اس طرح کرتا ہے؟ اس کے بعد شیطان، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا کہ تیرا باپ تجھے ذبح کرنے کے لئے لے جا رہا ہے۔ اس موقع پر انہوں نے شیطان کو کنکریاں ماریں۔ وہ غائب ہو گیا۔ ذرا آگے پہنچے تو شیطان پھر آیا اور یہی بات کی۔ انہوں نے اس کو دوبارہ کنکریاں ماریں۔ وہ پھر غائب ہو گیا۔ تھوڑی دور جا کر پھر نمودار ہوا۔ انہوں نے پھر کنکریاں ماریں تو یہ پھر غائب ہو گیا۔ یہ تین جگہیں جہاں پر کنکریاں ماری گئی تھیں، ابھی بھی ان جگہوں کی نشانیاں موجود ہیں۔ انہی جگہوں پر ہم رمی جمرات کرتے ہیں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں تو انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اتنے چھوٹے بچے سے کوئی خواب کی تعبیر پوچھے گا تو وہ بھلا اس کا کیا جواب دے گا۔ لیکن وہاں معاملہ اور تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ ابا جان آپ وہ کر گذریئے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔ یہ بات سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام خوش ہوئے۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام وصیت کرتے ہیں کہ ابا جان جب آپ مجھے ذبح کریں تو اوندھے منہ لٹائیں اور تیز چھری سے ذبح کریں اور اپنی آنکھوں پہ پٹی باندھیں تا کہ اللہ کے حکم میں کوئی تاخیر واقع نہ ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ آنکھیں بند کر

کے تیز چھری حضرت اسماعیل کے گلے پر رکھ دی اور چھری چلانے لگے۔ اب خوب زور سے چھری چلا کر ذبح کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن چھری کو حکم ہے کہ تم نے نہیں کاٹنا۔

اس سے دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ ہی کا حکم ہے کہ ذبح کرو۔ اور چھری کو بھی اللہ ہی کا حکم ہے کہ نہ کاٹو۔ پہلا حکم تشریعی حکم ہے۔ دوسرا حکم تکوینی حکم ہے۔ بعض دفعہ تشریعی اور تکوینی حکم الگ الگ ہوتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہوتی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو ایمرجنسی والا حکم دیتے ہیں کہ جنت سے مینڈھا لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ پر رکھ دو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خود بیان کیا ہے کہ تین موقعے ایسے تھے جب مجھے بہت ہی زیادہ تیزی کے ساتھ کام کرنا پڑا ان میں سے ایک موقع یہ تھا جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جنت سے مینڈھا لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ رکھ دو۔ انہوں نے فوراً جنت سے مینڈھا لیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وہاں سے ہٹا کر ان کی جگہ مینڈھا رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آنکھیں بند کر کے چھری چلا رہے تھے۔ جب چھری کے نیچے مینڈھا آگیا تو اب چھری کو حکم ہوا کہ کاٹ دو۔ چھری کاٹتی چلی گئی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اندازہ ہو گیا کہ اب ذبح ہو چکے ہوں گے تو آنکھیں کھولیں۔ دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام صحیح سالم کھڑے ہیں اور چھری سے مینڈھا ذبح ہو چکا ہے۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا ہوا۔ نبی کا اللہ تعالیٰ کے حکم پر سو فیصد یقین ہوتا ہے لیکن وہ ہوتے تو انسان ہی ہیں۔ اس لئے انسان ہونے کے لحاظ سے انہیں حیرت ہوتی ہے اور نبی ہونے کے لحاظ سے وہ حکم کو مانتے بھی ہیں۔ اتنے میں حکم آگیا کہ اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب سچا کر کے دکھا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تشریعی طور پر ذبح کیا۔ کیونکہ انہوں اپنے خیال سے چھری تو حضرت اسماعیل علیہ السلام پر ہی چلائی تھی۔ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ میں مینڈھا ذبح کر رہا ہوں۔ اس طرح شریعت کا حکم پورا ہو گیا اور تکوینی طور پر وہ نہیں ہوا جو وہ چاہتے تھے۔ تکوینی حکم اللہ تعالیٰ کا براہ راست حکم ہوتا ہے۔ جس چیز کو حکم ہوتا ہے اس کا بندہ کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا۔ لہٰذا بندہ اس کا ذمہ دار بھی نہیں ہوتا۔ اللہ پاک کا تکوینی حکم یہ تھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح نہ ہوں اور تشریعی حکم یہ تھا کہ ذبح ہوں۔ دونوں حکم پورے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تشریعی حکم پر عمل کر دیا۔ اس لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔

اس واقعہ سے کچھ باتیں سامنے آتی ہیں۔ پہلی بات یہ سامنے آتی کہ ہمیں اللہ پاک کے حکم پر عمل کرنا چاہئے چاہے وہ سمجھ آئے یا نہ آئے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ پاک کے حکم پر عمل کیا۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ مینڈھے کے ذبح کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذبح قرار دیا گیا۔ کیونکہ اللہ پاک نے فرمایا کہ اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو حکم دے رہا ہے اگر وہ ایک چیز کو دوسری کے مترادف قرار دے تو اس پہ کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ چیز جو اصل حکم کے قائم مقام کر دی گئی وہ اصل کی طرح ہی ہے۔

تیسری بات یہ سامنے آتی ہے کہ ہم سب کو حکم ہے کہ ہم اسی دن قربانی کیا کریں۔ اس طرح قربانی کا سلسلہ چل پڑا۔ ان کے بعد جتنے بھی انبیاء آئے سب نے قربانی کی۔ تمام صحابہ نے

بھی قربانی کی اور اب تک مسلمان قربانی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ یہ سب قربانیاں اس خاص جانور کی قربانی کے مترادف قرار دی گئیں جو مینڈھا جنت سے آیا تھا۔ اور اس مینڈھے کی قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی طرح قرار دی گئی۔ لہذا ہمارے جانور کی قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی طرح ہے۔ ہمارا قربانی کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہم اپنے بیٹوں کو ذبح کر رہے ہیں۔ مثلاً حکومت دو روپے کے نوٹ کو دس ہزار روپے کا نوٹ قرار دے تو اس کی قدر و قیمت دس ہزار روپے کے جتنی ہو جائے گی۔ اسی طرح ہم جو جانور کی قربانی کرتے ہیں اس کی فضیلت بھی اللہ پاک کی طرف سے ہی مقرر کی گئی ہے کہ وہ بیٹے کو ذبح کرنے کے مترادف ہے۔ اسی وجہ سے اِس قربانی کی اتنی زیادہ فضیلت ہے۔ یہ اتنا بڑا عمل ہے کہ ان تین دنوں میں کسی اور عمل کا ثواب اتنا زیادہ نہیں ہے جتنا قربانی کا ثواب ہے۔

آج کل بعض لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ قربانی کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس میں خواہ مخواہ گوشت کا ضیاع ہے۔ آپ یہ قربانی کے پیسے کسی غریب کو دے دیں، اس کا بھلا ہو جائے گا، اس کے دل سے آپ کے لئے دعا نکلے گی، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان ہوشیاروں سے کوئی پوچھے کہ کبھی تم نے خود بھی ان غریبوں کی خبر لی ہے یا نہیں؟ تم لوگوں نے خود ان غریبوں کے ساتھ تعاون کے لئے کیا کیا ہے؟ تب پتا چلے گا کہ ان کا اصل مقصد غریبوں کا بھلا نہیں، بلکہ کوئی اور بات ہے۔

میرے ایک کلاس فیلو لیبیا میں کام کر رہے تھے۔ ایک جگہ میری ان سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے میری چائے کی دعوت کی۔ ہم چائے پی رہے تھے اور گپ شپ لگا رہے تھے۔ انہوں نے دوران گفتگو کہا کہ میرے دو گھر ہیں۔ اس کے بعد اور باتیں ہوتی رہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک قمیض بھی نہیں تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ غنی تھے۔ ایسا کیوں تھا؟ گویا کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہ اعتراض کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم تو غریبوں کے بڑے خیر خواہ ہو، تم اپنے دو گھروں میں سے ایک گھر غریبوں کو دے دو تاکہ تمہارا قول سچا ہو جائے اور تم غریب پرور ثابت ہو جاؤ۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ جب بھی کوئی خرچ کرنے کا موقع ہوتا تو سب سے زیادہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ جنت خریدی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان کے بھیجے ہوئے سامان کو ایک ہاتھ سے دوسرے میں دوسرے ہاتھ میں لیتے اور فرماتے تھے کہ آج کے بعد عثمان جو کچھ کرے گا اس پر کوئی عذر نہیں ہو گا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنے دستِ مبارک کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ اگر میری اور بھی بیٹیاں ہوتیں تو میں ان کے نکاح میں دے دیتا۔ اتنی فضیلتوں والے سردار کے بارے میں تم یہ بات کر رہے ہو اور خود تمھاری حالت یہ ہے کہ تمھارے اپنے دو دو گھر ہیں۔ اب میری تمہارے ساتھ دوستی ختم۔ آئندہ تم میرے دوست نہیں ہو۔ یہ کہہ کر میں نے چائے چھوڑ دی اور اس کے پاس سے اٹھ گیا۔ اس پر آس پاس کے لوگ پریشان ہو گئے کہ باتوں باتوں میں یہ کیا ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ چھوڑیں معاف کریں۔ میں نے کہا معافی کی کیا بات ہے۔ اس نے مجھے تو کچھ نہیں کہا لیکن جس کے بارے میں بات کی ہے وہ ہمارے نزدیک بہت عظیم ہستی ہیں۔ لہٰذا اب ہمارا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس کے بعد ہم نے اس سے کوئی بات نہیں کی اور اس سے کوئی رابطہ نہیں رکھا۔ کیونکہ یہ موقع ہی ایسا تھا۔ انسان میں دینی غیرت

ہونی چاہئے۔ اس قسم کے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ یہ بالکل منہ پھٹ قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو نہیں جانتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ جو لوگ قربانی کے بارے میں اس قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ بھی اسی قسم کے لوگ ہیں۔ بھائی تم اللہ کے حکم کے مقابلہ میں بات کر رہے ہو۔ پیغمبر کے طریقے کے مقابلہ میں بات کر رہے ہو۔ تمھاری حیثیت ہی کیا ہے؟ پشتو میں اس کے لئے محاورہ ہے مامہ شمیرہ در°° یم "مجھے گنو مت میں شامل ہوں"۔ بھائی کیوں شامل ہو؟ تمھاری حیثیت کیا ہے؟

اس قسم کی باتوں کی پروانہ کی جائے۔ قربانی بہت بڑا عمل ہے اگر آپ اس بڑے عمل کو کر نہیں سکتے تو کم سے کم اس کے خلاف بات نہ کرو۔

قربانی میں آپ جو جانور ذبح کر رہے ہوتے ہیں وہ گوشت کے لئے ذبح نہیں کرتے بلکہ اللہ کے حکم پہ عمل کرنے کے لئے ذبح کرتے ہیں۔ قرآن گواہ ہے:

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ (الحج:37)

ترجمہ: "اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے"۔

تم جس تقویٰ اور کیفیت کے ساتھ قربانی کرتے ہو وہ تقویٰ اللہ تعالیٰ کو پہنچتا ہے۔ یہ تقویٰ ہر ایک کا اپنا اپنا ہوتا ہے۔ سب کا ایک جیسا نہیں ہوتا۔ جس کا جتنا ہے اس کے حساب سے پہنچتا ہے۔ یہ گوشت کا معاملہ نہیں ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ آپ خیر خواہ بنتے ہیں۔

قربانی کے گوشت کے بارے میں بہتر طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے تین حصے کر لو۔ ایک حصہ خود کھاؤ کیونکہ یہ مبارک گوشت ہے۔ آپ ﷺ نے بھی سو اونٹ قربان کئے اور سو

اونٹوں کی یہ قدر کی کہ ہر ایک سے ایک ایک بوٹی لی اور اس کو ایک ہنڈیا میں ڈال کر ابال لیا۔ اس سے جو شوربا بنا اس شوربا کو پی لیا۔ یعنی سب اونٹوں کے گوشت میں سے استعمال کیا کیونکہ مبارک گوشت تھا۔ ہر اونٹ نے اپنی جان دی تھی۔ اس لئے سب کا تھوڑا تھوڑا حصہ پی لیا۔

نبی کریم ﷺ نے ایک اور موقع پر بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ یہ بعثتِ نبوی سے پہلے کی بات ہے۔ جب حجر اسود کو نصب کرنا تھا۔ سب لوگوں نے نبی کریم ﷺ کا فیصلہ قبول کر لیا۔ نبی ﷺ نے ایک چادر منگوائی۔ چادر میں حجرِ اسود کو رکھا اور تمام قبیلوں کے سرداروں کو کہا کہ اس چادر کا کوئی نہ کوئی کونہ پکڑ لیں۔ اور سب مل کر اس کو اٹھا کر اس جگہ تک لے آئیں جہاں اسے نصب کرنا ہے۔ سب حجر اسود کو اٹھا کر وہاں لے آئے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے سب سرداروں سے پوچھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کو اپنے ہاتھ سے رکھ دوں۔ سب نے خوشی سے اجازت دے دی اور یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ یہ ہے بصیرت۔ اسی طریقے سے آپ ﷺ نے سارے اونٹوں کا گوشت لے کر اس کا تھوڑا تھوڑا شوربا بنایا اور اس شوربا کو پی لیا۔ اس طرح سب کا حصہ ادا ہو گیا۔ قربانی کا گوشت مبارک گوشت ہے لہذا خود بھی کھانا چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی ہے ﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾ (حم سجدہ: 32) میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾ (حم سجدہ: 31-32)

ترجمہ: "اور اس جنت میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لئے ہے جس کو تمہارا دل چاہے، اور اس میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لئے ہے جو تم منگوانا چاہو یہ سب کچھ اس ذات کی طرف سے پہلی پہل میزبانی ہے جس کی بخشش بھی بہت ہے جس کی رحمت بھی کامل"۔

اسی طرح یہ قربانی کا موقع بھی اللہ تعالیٰ کی مہمانی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر قربانی کا گوشت اس نیت سے کھایا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی ہے اور اللہ تعالیٰ جیسے یہاں مہمانی کر رہے ہیں ایسے ہی جنت میں بھی مہمانی کریں گے تو امید ہے کہ ایسا ہی ہو گا۔ کیونکہ اللہ پاک فرماتے ہیں:

"اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ" (صحیح بخاری: حدیث:7405)

ترجمہ: "میں بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے ساتھ رکھتا ہے۔"

یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے۔ تبھی تو ان تین دنوں میں روزے رکھنا منع ہے۔ جنت میں کوئی روزہ نہیں رکھے گا۔ یہ ساری باتیں اِدھر کی ہیں۔ وہاں تو مزے ہی مزے ہیں۔ اگر کوئی اس نیت کے ساتھ قربانی کا گوشت کھائے گا تو ان شاء اللہ اسے آخرت میں بھی ایسا معاملہ نصیب ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی میں ہو گا۔ اس لئے اس گوشت کو محبت کے ساتھ کھائیں۔

قربانی کے گوشت کا ایک حصہ خود کھائیں اور دوسرا حصہ غریبوں کو دیں۔ تیسرا حصہ رشتہ داروں کو دیں۔ یہ ایک طریقۂ کار ہے جو بزرگوں نے وضع فرمایا ہے تاکہ سب چیزوں کا حق ادا ہو جائے لیکن اگر کوئی اس پر عمل نہ کرے، سارا گوشت خود کھالے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی قربانی ضائع نہیں ہو گی۔ البتہ اسے اضافی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ جیسے کوئی شخص تہجد کی

نماز نہیں پڑھتا تو اس کی باقی فرض نمازوں کا ثواب کم نہیں ہوتا۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے تہجد کی نماز کا مخصوص اجر نہیں ملے گا۔ وہ تو ان کو ہی ملے گا جنہوں نے تہجد پڑھی ہو گی۔ یہی بات یہاں پر بھی ہے کہ اس طریقے کے مطابق گوشت تقسیم نہ کرنے سے قربانی پہ اثر نہیں پڑتا، البتہ اضافی ثواب نہیں ملے گا۔

مسلمان قربانی تو کرتے ہیں البتہ اس کا اصل تصور نہ جاننے اور صحیح معنوں میں اس سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ایک عادت کے طور پہ کرتے ہیں۔ یہ بھی اللہ کی نعمت ہے کہ عادت تو ہے۔ لیکن اس کا ایک نقصان بھی ہے اور وہ یہ کہ اس سارے تصور کو سمجھنے اور جاننے کے بعد قربانی کرنے سے جو قرب حاصل ہوتا ہے، ان چیزوں کا ادراک نہ ہونے کی وجہ سے وہ چیز حاصل نہیں ہو پاتی۔ ہمارا یہ بیان اسی لئے ہے کہ ہم یہ چیزیں جان لیں کہ ہم قربانی کیوں کر رہے ہیں اور اس میں بہتر طریقہ کیا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے بہتر کام یہ ہے کہ ہم قربانی کے مسائل سیکھیں۔ قربانی کے فضائل تو الحمد للہ بیان ہو ہی رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قربانی کے مسائل جاننا بھی ضروری ہے۔ بہشتی زیور میں یہ مسائل موجود ہیں۔ اس میں پڑھ لیں۔ ہماری ویب سائٹ پر بھی موجود ہیں وہاں سے پڑھ لیں۔ دوسری کئی اچھی اچھی کتابیں موجود ہیں انہیں پڑھ لیں۔

ایک تو یہ سیکھنا چاہئے کہ قربانی میں نیت کون سی اور کس طرح ہونی چاہئیں۔ اس کے بڑے احکامات ہیں۔ وہ سیکھنے چاہئیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جانور کیسا ہونا چاہئے۔ اس کے بارے میں تفصیلات اور مسائل ہیں۔ وہ بھی سیکھنے چاہئیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ جانور کو ذبح کیسے کیا جائے۔ اس کا کیا طریقہ کار ہے۔ اس سے متعلق مسائل بھی سیکھنے چاہئیں۔ بعض لوگ ان مسائل کو نہیں جانتے۔ وہ کام خراب کر دیتے ہیں۔ قصابوں کے بارے میں ایک بات عرض کرتا ہوں کہ کچھ لوگوں کا دل ان کے پیشے کی نوعیت کی وجہ سے سخت ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً وہ ان تمام چیزوں کا خیال نہیں رکھتے جن کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ جانور ذبح کرنے میں اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد جب تک اس کی جان نہ نکلے اس وقت تک اس پہ مزید کوئی کام نہ کریں۔ لیکن بہت سے قصاب ایسا نہیں کرتے، ذبح کرتے ہوئے حرام مغز کے قریب والی شہ رگ کو یکدم کاٹ دیتے ہیں۔ جس سے جانور فوری طور پہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہ جائز نہیں ہے۔ اس کا خون پورا بہنا چاہئے۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہئیں کہ جانور کی کتنی رگیں ہیں، ان میں سے کتنی رگیں کاٹنی چاہئیں۔ چھری کیسے چلانی چاہئے، کس جگہ پہ رکھنی چاہئے۔ یہ سب معاملات سیکھنے چاہئیں۔ اٹکل پچو طریقے سے کام نہیں کرنا چاہئے۔

اس کے بعد گوشت کی تقسیم کے مسائل ہیں۔ اس کے اپنے احکامات ہیں۔ گوشت کی تقسیم کے بعد جو چیزیں بچ جاتی ہیں، مثلاً رسی ہے، کھال ہے، سینگ وغیرہ ہیں۔ ان کے اپنے احکامات ہیں۔ یہ سب سیکھنے چاہئیں۔

قصاب کو اجرت دینے کے الگ مسائل ہیں۔ اگر آپ نے اس کی اجرت قربانی کے گوشت میں سے ہی دے دی تو یہ جائز نہیں ہے۔ اسے علیحدہ سے اجرت دینی ہوتی ہے۔

گوشت کی تقسیم میں یہ بات ہے کہ برابر سرابر تقسیم کرنا چاہئے۔ بڑے جانور میں زیادہ سے زیادہ سات حصے ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی نے آٹھ کر دیئے تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہوئی۔ چھ ہو

سکتے ہیں، پانچ ہو سکتے ہیں، چار ہو سکتے ہیں، تین ہو سکتے ہیں، دو ہو سکتے ہیں، ایک بھی ہو سکتا ہے لیکن آٹھ نہیں ہو سکتے، نو نہیں ہو سکتے اور دس نہیں ہو سکتے، الغرض سات سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔

اگر کوئی آدمی گوشت کھانے کی نیت سے اپنا حصہ رکھ لے۔ اس کی قربانی کی نیت نہ ہو تو ساری قربانی ضائع ہو جائے گی۔ اس لئے اپنے ساتھ کوئی ایسا ساتھی شامل نہیں ہونے دینا چاہئے جس کی نیت محض گوشت لینے کی ہو۔

قربانی صحت مند جانوروں کی ہوتی ہے۔ اس کے لئے باقاعدہ قوانین ہیں۔ بعض قصاب ایسے جانوروں کی قربانی کر دیتے ہیں جو قربانی کے لئے درست نہیں ہوتے۔ اگر کوئی یہ سوچے کہ ان کے ساتھ حصہ رکھ لیتے ہیں، ہمارا کام ہو جائے گا تو یہ جائز نہیں ہے۔ رزق کے بارے میں سوچو۔ کسی کا رزق کھلا ہوا حرام ہے تو ان کو قربانی میں اپنے ساتھ شامل نہیں کرنا چاہئے۔

مفتی زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بیان کے دوران فرمایا کہ ہم ایک دفعہ ایک بینک میں دعوت کی نیت سے گئے۔ بینک منیجر ہمیں جانتا تھا۔ اس نے ہمارے لئے چائے منگوائی۔ میں نے سوچا کہ چائے ٹھنڈی ہونے دیتے ہیں، پھر اس بہانہ سے نہیں پئیں گے کہ ٹھنڈی چائے ہے، نہیں پی جا سکتی۔ گویا لطائف الحیل سے ٹالنا چاہ رہے تھے۔ لیکن جب چائے ٹھنڈی ہوئی تو منیجر نے کہا: مفتی صاحب کے لئے اور گرم چائے لے آؤ۔ میں نے سوچا: اب تو بات کرنی پڑے گی۔ میں نے کہا: منیجر صاحب معاف کیجئے گا۔ میں یہ تو دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں بالکل ہی حلال کھاتا ہوں لیکن اتنا کھلا حرام بھی نہیں کھاتا۔

یہ ایسی بات ہے کہ جو کسی بینک منیجر سے کی جائے تو وہ ضرور ناراض ہو جائے گا۔ لیکن کیا کریں حق بات تو حق ہی ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ قربانی میں شامل نہ کریں۔ ان کو

ترغیب دیں کہ آپ بکرا قربان کرلیں وہ آپ کے لئے زیادہ مفید ہے۔ کم از کم اتنا مفید تو ضرور ہے کہ کسی اور کی قربانی خراب نہیں ہو گی۔ اگر وہ نہیں مانتا تو پھر آپ بکرا قربان کرلیں۔ یہی طریقہ ٹھیک ہے۔ یہ اس قسم کے مسائل ہیں جن کا خیال کرنا ضروری ہے۔

مسائل کا خیال رکھنا کتنا ضروری ہے، اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ مولانا عبد اللہ کاکاخیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں ڈین (Dean) تھے۔ ہم ان دنوں نیلور میں ہوتے تھے۔ نیلور یہاں سے کافی دور ہے۔ تقریباً بیس کلومیٹر سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ اس زمانے میں راستہ بھی اتنا ٹھیک نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ عید کی قربانی ہمارے ساتھ کرتے تھے۔ ہمارے پاس آتے تھے اور کہتے کہ میں شبیر کے ساتھ اس لئے قربانی کرتا ہوں کہ یہ مسائل کا خیال رکھتا ہے۔ اس دن ہمارے لئے دگنی عید ہوتی تھی کیونکہ ان سے ہم بڑے مسائل سیکھتے تھے۔ وہ بہت بڑے عالم تھے۔ جتنا وقت قربانی ہو رہی ہوتی تھی ہم ان سے مسلسل مسائل پوچھتے رہتے تھے اور وہ بتاتے رہتے تھے۔

بہر حال ان مسائل کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس سے ہمارا عمل محفوظ ہو جاتا ہے۔ بصورتِ دیگر کام خراب ہو سکتا ہے۔

عید الاضحیٰ دعوتوں کی عید ہے۔ اس میں ایک دوسرے کی دعوت کر لیا کریں۔ خوشی حاصل کرنے کے لئے، ایک دوسرے کا دل رکھنے کے لئے دعوتوں کا اہتمام کیا کریں۔ اگر دلوں میں کوئی خلش ہو، کسی مسئلہ کی وجہ سے خلجان ہو تو اسے دور کرنے کے لئے ایک دوسرے کی دعوت کر لیا کریں۔ الحمد للہ ہماری خانقاہ میں بھی یہ دعوت ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں تو سادہ طریقہ ہوتا ہے۔ گوشت میں ہم صرف نمک ڈالتے ہیں اور کوئی چیز نہیں ڈالتے۔ اسی کو کھا لیتے ہیں۔ اللہ

پاک ہی کسی چیز میں مزہ ڈالتے ہیں اور قربانی کے اُس گوشت میں اللہ پاک ایسی لذت ڈالتے ہیں کہ لوگ اسے کھانے کے لئے دور دور سے آتے ہیں۔ ماشاء اللہ یہ بہت مزے دار دعوت ہے اور مقبول ہے۔

جن حضرات کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو وہ اس بات کا بھی اہتمام کریں کہ ذی الحج کا چاند نظر آنے سے لے کر قربانی کرنے تک ناخن نہ کاٹیں، بال نہ کاٹیں، حجامت وغیرہ نہ کروائیں تاکہ حاجیوں سے مشابہت ہو جائے۔

جس وقت قربانی ہو جائے تو اس کے گوشت سے کھانا پینا شروع کرنا چاہئے۔ اس کو بعض لوگوں نے روزہ بھی کہا ہے۔ یہ روزہ نہیں ہے کیونکہ اس دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ اس دن روزہ تو نہیں ہو سکتا۔ البتہ قربانی کا اکرام یہ ہے کہ اس دن ہم کھانے کی ابتدا قربانی کے گوشت سے کریں۔

قربانی کا گوشت کھلے دل سے تقسیم کریں، کھلے دل سے کھائیں اور اس پر اللہ پاک کا کھلے دل سے شکر ادا کریں۔

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (ابراہیم:7)

ترجمہ: "اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا"۔

ہم اپنی طرف سے تو قربانی کرتے ہی ہیں لیکن آپ ﷺ نے پوری امت کی طرف سے قربانی فرمائی ہے۔ تو کیا ہم آپ ﷺ کے لئے قربانی نہیں کر سکتے؟ آپ ﷺ کے لئے بھی قربانی کریں اور اگر ہمت ہو تو آپ ﷺ کی امت کے لئے بھی قربانی کرنی چاہئے۔ یہ قربانی نفلی

ہو گی۔ واجب تو اپنے لئے ہوتی ہے، اس میں کسی اور کے ساتھ شراکت نہیں کی جاسکتی۔ لیکن نفلی قربانی جتنی چاہے کی جاسکتی ہے اور جس کی طرف سے کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ لہٰذا قربانی خود اپنے لئے بھی کرنی چاہئے اور جو ہمارے دل کے قریب ہیں ان کے لئے بھی کرنا چاہئے۔ یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے۔

دوسروں کے لئے قربانی کرنا فیض حاصل کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ جب ہم آپ ﷺ کے لئے قربانی کریں تو اُدھر سے بھی فیض ضرور آئے گا۔ اگر کسی اللہ والے کے ساتھ کسی وجہ سے بہت محبت ہو تو ان کے لئے بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔

قربانی کے جانور کو اچھی طرح پالنا چاہئے۔ اگر خریدا ہے تو وہ جتنے دن آپ کے ساتھ ہے اس کی اچھی خدمت کرنی چاہئے۔ آپ جتنی زیادہ اس کی خدمت کریں گے آپ کو اس کے ساتھ اتنی محبت ہو گی۔ اس محبت کے ہوتے ہوئے جب آپ اسے ذبح کریں گے تو یہ محبت اللہ کی محبت میں ڈھل جائے گی۔ مجاز کے ذریعے حقیقت تک پہنچنا یہی ہے کہ آپ اس مجازی محبت کو اللہ کی محبت میں قربان کر دیں تو آپ کو اللہ کی محبت حاصل ہو جائے گی۔ یہ نسبتاً ایک مختصر طریقہ ہے۔

مثلاً انسان کو کسی کے ساتھ بہت محبت ہو لیکن وہ محبت حرام ہو۔ اس کو پتا بھی ہو کہ یہ محبت حرام ہے۔ اگر یہ شخص اس حرام محبت کو اللہ جل شانہ کی خاطر ختم کرلے کہ اب میں یہ نہیں کروں گا کیونکہ اس سے اللہ ناراض ہوتا ہے تو اسے اللہ کی محبت نصیب ہو جائے گی۔ یہ اللہ کی محبت حاصل کرنے کا ایک شارٹ کٹ طریقہ ہے۔ لیکن قصداً ایسا نہ کرے کہ کسی کے ساتھ حرام محبت کرے پھر اس محبت کو قربان کرے اور سمجھے کہ یہ اللہ کی محبت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ایسا کرنا تو جہالت ہے۔ ہاں اگر اتفاقاً ایسا ہو جائے تو پھر یہ اللہ کی محبت حاصل کرنے کا ایک طریقہ بن سکتا ہے۔

اگر کسی کے ساتھ ایسا مسئلہ ہو تو اسے ہم یہ ذکر بتاتے ہیں کہ ایک ہزار مرتبہ **"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ"** کا ذکر اس تصور کے ساتھ کرو کہ **"لَآ اِلٰہَ"** کے ساتھ اس کی محبت دل سے نکل رہی ہے اور **"اِلَّا اللّٰہُ"** کے ساتھ اللہ کی محبت دل میں آ رہی ہے۔ اس طریقے سے وہ محبت اللہ کی محبت میں تبدیل ہو جائے گی۔

یہ سب اعمال اللہ کی محبت حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔ قربانی بھی ان میں سے ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ اس کے ساتھ ہم محبت کریں اور پھر اس محبت کو اللہ کی محبت کے لئے قربان کر دیں تو اس پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں۔

اللہ کی محبت کمانے کے ذرائع بہت ہیں۔ لیکن انسان صرف نہ جاننے کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے تو اس کی مثالیں قائم کی ہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ گائے کی قربانی کرتے تھے۔ حالانکہ ہندوستان میں گائے کی قربانی کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ وہ گائے کی قربانی کرتے تھے۔ قربانی سے پہلے اس گائے کی خوب خدمت کرتے تھے۔ اس کے ساتھ دوڑتے بھاگتے تھے۔ اسے نہلاتے دھلاتے تھے۔ اس طرح اس کے ساتھ اچھی خاصی محبت ہو جاتی تھی۔ پھر جس دن ذبح کرتے تو رو رہے ہوتے تھے۔ لیکن بہر حال ذبح کر رہے ہوتے تھے۔ ہمیں بھی ایسا کرنا چاہئے۔ اللہ پاک ہم سب کو نصیب فرمادے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

❁❁❁

تعلیماتِ مجدّدیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ ۞

اَمَّا بَعْدُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تعلیمات میں چند چیزوں پر جس ترتیب سے زور دیا ہے، ہم ان چیزوں پر اسی انداز میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت نے عقائد پر زور دیا ہے، گویا یہ بتایا ہے کہ تصوف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہمارے عقائد درست ہو جائیں اور ان میں پختگی آجائے۔ اس کے بعد اس بات پر زور دیا ہے کہ ہم تمام اعمال دائمی طور پر سنت کے مطابق کرنے لگیں اور اسی طریقہ کے مطابق اعمال کرنے والے بن جائیں جس طریقہ سے آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئے ہیں۔ حضرت نے سنت کی پیروی پر بہت زور دیا ہے اور بتایا ہے کہ نقشبندی سلسلہ کا امتیاز یہی ہے کہ اس سلسلہ میں سنت کا اہتمام عزیمت کے درجہ میں ہے۔ پھر حضرت نے بدعت کا زبردست رد فرمایا ہے تاکہ کسی طریقہ سے بھی بدعات کا ارتکاب نہ ہو۔ الحمدللہ ہم نے اسی ترتیب سے تعلیماتِ مجددیہ کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔

اعمال میں سب سے پہلے عبادات ہیں اور عبادات میں سب سے اول نمبر نماز کا ہے، پچھلی دفعہ نماز پر بات ہوئی تھی۔ نماز کے بعد اور عبادات ہیں جیسے رمضان شریف کے روزے رکھنا،

زکوۃ دینا، اور حج کرنا فرض ہے۔ ان شاء اللہ ان کے بارے میں آج بات ہو گی، تاکہ ہمیں اسی ترتیب سے یہ چیزیں سمجھ میں آجائیں۔

رمضان شریف کے بارے میں حضرت مکتوب نمبر 45 میں ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

جاننا چاہیے کہ رمضان المبارک کا مہینہ بہت بزرگی والا مہینہ ہے، نفلی عبادات نماز، ذکر اور صدقہ وغیرہ جو اس مہینے میں ادا کی جائیں وہ دوسرے دنوں کے فرض ادا کرنے کے برابر ہے اور اس مہینے میں کسی فرض عبادت کا ادا کرنا دوسرے مہینوں کے ستر (70) فرضوں کے ادا کرنے کے برابر ہے۔ ایک فضیلت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس مبارک مہینے میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے تو اس کو بخش دیتے ہیں اور اس کی گردن کو دوزخ کی آگ سے آزاد کر دیتے ہیں اور اس (افطار کرانے والے) کو اس روزہ دار کے اجر کے برابر عطا فرماتے ہیں بغیر اس کے کہ اس روزہ دار کے اجر میں سے کچھ کم کریں اور اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے غلاموں سے خدمت لینے میں کمی کرے تو حق سبحانہ و تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اور اس کو دوزخ کی آگ سے آزاد فرما دیتا ہے۔ رمضان المبارک کے مہینے میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ قیدیوں کو آزاد فرمادیا کرتے تھے اور جو شخص آپ ﷺ سے جو کچھ مانگتا آپ اس کو عطا فرمادیتے تھے۔

تشریح:

مذکورہ بالا پیراگراف آپ ﷺ کے ایک خطبہ سے منقول ہے جو آپ ﷺ نے شعبان کے اخیر میں رمضان شریف کی فضیلت کے بیان میں ارشاد فرمایا تھا۔ اسی سے یہ سب

چیزیں مستفاد ہیں۔ الحمد للہ، ہر رمضان شریف کی آمد سے پہلے شعبان کے اخیر میں ہم بھی اس خطبہ پر بات کرتے ہیں۔

متن:

اگر کسی شخص کو اس ماہ مبارک میں خیرات اور اعمالِ صالحہ کی توفیق حاصل ہو جائے تو تمام سال اس کو ان اعمال کی توفیق شامل حال رہتی ہے اور اگر کسی کا یہ مہینہ اعمالِ صالحہ سے پراگندگی و کوتاہی میں گزرا تو اس کا تمام سال پراگندگی و کوتاہی میں گذرتا ہے (لہٰذا) جہاں تک ہوسکے اس مہینے میں اعمالِ صالحہ پر جمعیت و پابندی میں کوشش کرنی چاہیے اور اس مہینے کو غنیمت جاننا چاہیے۔

تشریح:

اس ماہ میں سٹارٹ لینا ہوتا ہے۔ جب ہم کسی چیز کو شروع کرتے ہیں تو اسے روکنے والی چیزوں کو ختم کر دیتے ہیں اور اسے بڑھانے والی چیزوں کو زیادہ کر لیتے ہیں۔ نیک اعمال میں دو رکاوٹیں ہیں، ایک رکاوٹ شیطان ہے، ایک رکاوٹ نفس ہے اور یہی دو چیزیں برائی کو بڑھاوا دینے والی بھی ہیں، ایک تو شیطان اس میں مہمیز کرتا ہے اور دوسرا نفس کی خواہشات برائی کو بڑھاوا دیتی ہیں۔ رمضان شریف میں شیطان کو قید کر دیا جاتا ہے لہٰذا اس کا اثر ختم ہو جاتا ہے، جب نفس کے اوپر پیر رکھ لیا جاتا ہے، نفس کی تین بہترین خواہشات کھانا، پینا اور مباشرت کو دبا دیا جاتا ہے۔ ان تین چیزوں کے دبنے کی وجہ سے نفس مضمحل ہو جاتا ہے۔

میرے خیال میں اس کے لئے یہ لفظ (مضمحل ہونا) بہت مناسب ہے۔ نفس مضمحل ہو جاتا ہے، ادھ موا ہو جاتا ہے۔ مضمحل چیز کو آپ جس طرف لگانا چاہیں لگا سکتے ہیں، اس وقت آپ

اس سے جتنا کچھ حاصل کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ میں اس کی مثال اکثر یوں دیا کرتا ہوں کہ جب آرمی والے جنگ کی حالت میں ہوں، گولیاں چل رہی ہوں، جنگ میں کسی پوسٹ کو اڑا دیا جائے اور وہاں سے ان کے اوپر شیلنگ نہ ہو رہی ہو، اس وقت یہ جتنی زیادہ سے زیادہ حرکت، پیش قدمی اور مزید تیاری ممکن ہو، کر لیتے ہیں، کیونکہ پھر ان کو موقع نہیں ملے گا۔ رمضان شریف کا مہینہ بھی ایسے ہی ہے کہ اگر شیطان بند ہے اور نفس مضمحل ہے تو اس میں جتنی تیاری کر سکتے ہو، کر لو۔ اس طریقہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"اس مہینہ میں جس کو نیک اعمال کی توفیق ہو گئی، وہ توفیق تمام سال جاری رہتی ہے"۔

کیونکہ وہ آغاز کر چکا ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ اس ماہ سے فائدہ نہ اٹھایا، اس میں نیکیوں کا آغاز نہ کیا تو بعد میں رکاوٹیں آجائیں گی، پھر باقی سال بھی ویسے ہی رہے گا۔

متن:

اور اس ماہ مبارک کی ہر رات میں کئی ہزار دوزخ کے مستحق آدمیوں کو آزادی ملتی ہے اور اس مہینے میں بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے اور رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

اور افطار میں جلدی کرنا اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا سنت ہے اور اس بارے میں آنسرور علیہ الصلوۃ والسلام مبالغہ (یعنی بہت تاکید) فرماتے تھے۔ اور شاید سحری کھانے میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنے میں اپنے عاجز و محتاج ہونے کا اظہار ہے جو کہ بندگی کے مقام کے مناسب ہے۔ اور کھجور یا چھوہارے سے افطار کرنا سنت ہے۔ اور آنحضرت ﷺ افطار کے وقت

یہ دعا پڑھا کرتے تھے: **ذَهَبَ الظَّمَأُ وَ ابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَ ثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی** (یعنی پیاس دور ہو گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور اجر ثابت ہو گیا ان شاء اللہ تعالیٰ)۔ اس ماہ مبارک میں نماز تراویح کا ادا کرنا اور (نماز تراویح میں) قرآن مجید کا ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے اور اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں **وَفَّقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِحُرْمَةِ حَبِيْبِهٖ عَلَيْهِ وَ عَلٰی آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَ التَّسْلِيْمَاتُ وَ التَّحِيَّاتُ** (اللہ سبحانہ اپنے حبیب علیہ و علیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات والتحیات کے طفیل ہم کو ان کاموں کی توفیق عطا فرمائے)۔

حضرت مکتوب نمبر 162 دفتر اول میں فرماتے ہیں:

متن:

اور ماہ رمضان المبارک تمام خیرات و برکات کا جامع ہے اور ہر خیر و برکت جو بھی ہے وہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی طرف سے فیض پہنچا رہی ہے اور اس ذات کے شیونات کا نتیجہ ہے کیونکہ جو شر و نقص بھی وجود میں آتا ہے اس کی ذات وصفات محدثہ کے منشا سے ہے:

﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾

(النساء:79)

ترجمہ: "جو بھی بھلائی تم کو پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو برائی تم کو پہنچتی ہے وہ تمھارے نفس کی طرف سے ہوتی ہے"۔

(یہ آیت) نص قاطع ہے۔ پس اس ماہِ مبارک کی تمام خیرات و برکات ان کمالاتِ ذاتیہ کا نتیجہ ہیں جس کی جامع شان کلام ربانی ہے اور قرآن مجید اس شانِ جامع کی تمام حقیقت کا حاصل

ہے۔ لہذا اس ماہِ مبارک (رمضان) کو قرآن مجید کے ساتھ مناسبتِ کلی حاصل ہے کیونکہ قرآن مجید تمام کمالات کا جامع ہے اور یہ مہینہ "جامع جمیع خیرات" یعنی ان تمام نیکیوں کا جامع ہے جو کہ ان کمالات کے نتائج و ثمرات ہیں اور یہی مناسبت اس ماہِ مبارک میں قرآن مجید کے نزول کا باعث ہوئی: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرہ: 185) (رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا)۔ اور شبِ قدر جو اسی ماہ کا خلاصہ اور لُبِ لباب ہے (وہ رات گویا) اس کا مغز ہے اور یہ مہینہ اس کے پوست کی مانند ہے۔ پس جو شخص اس مہینہ کو جامعیت (یعنی تمام فرائض کو بحسن وخوبی) کے ساتھ گزارے گا وہ اس کی تمام خیر وبرکت سے مالا مال ہو گا اور (ان شاء اللہ) تمام سال جمعیت (واطمینان) سے گزرے گا اور خیر وبرکت کے ساتھ بہرہ ور ہوتا رہے گا۔ **وَفَّقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ لِلْخَیْرَاتِ وَ الْبَرَكَاتِ فِیْ هٰذَا الشَّهْرِ الْمُبَارَكِ وَ رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ النَّصِیْبَ الْاَعْظَمَ** (اللہ تعالیٰ ہم کو اس مبارک مہینے کی خیرات وبرکات حاصل کرنے کی توفیق عطا کرے اور اس کا بڑا حصہ نصیب فرمائے)۔ (آمین)

تشریح:

ان اقتباسات سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ شریعت میں رمضان شریف کا کیا مقام ہے۔ اس کے لئے اللہ پاک نے ایک تکوینی نظام بھی بنایا ہے، آگے حضرت اس کے بارے میں بتائیں گے۔

اس مہینہ کو قرآن پاک کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ قرآن پاک تمام کمالات کا جامع ہے کیونکہ اللہ پاک کا کلام ہے۔ اللہ پاک کا کلام اللہ پاک کی صفت ہے۔ اس صفت کا ہمارے اندر

موجود ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔ رمضان شریف میں تراویح میں قرآن پڑھا جاتا ہے تو اس کلام کا ظہور ہو رہا ہوتا ہے اور اس کے ظہور کے ساتھ اس کی برکات آرہی ہوتی ہیں۔ قرآن کی برکات اس ماہِ مبارک کی برکات کے ساتھ مل کر بہت زیادہ باعثِ نورانیت و اطمینان ہو جاتی ہیں۔ رمضان شریف کے مہینہ میں قرآن کی برکات تراویح کے ساتھ منسلک ہیں اس لئے تراویح میں قرآن سننا بے حد اہمیت کا حامل ہے، جو لوگ اس ماہ میں تلاوتِ قرآن و تراویح کا اہتمام کریں گے ان کو اس کی برکات زیادہ سے زیادہ ملیں گی۔

اس ماہ مبارک میں اللہ پاک کی طرف سے نفس کی تربیت کا خصوصی انتظام کیا گیا ہے، اگر نفس پہ پیر رکھا گیا ہو، دن کو روزہ رکھا ہو اور رات کو قرآن سنا جائے تو نورانیت کے وصول کی قابلیت بڑھ جاتی ہے۔

یہاں ایک فقاہت کی بات عرض کرتا ہوں۔ رمضان شریف کے روزوں میں نفس کو بعض چیزوں سے اس طرح روکا گیا ہے کہ روزے کا وجود اور بقا ان چیزوں سے رُکنے پر منحصر ہے۔ مثلاً کھانا پینا اور مباشرت، یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ روزہ کی حالت میں ان میں سے کوئی ایک بھی کی جائے تو روزہ باقی نہیں رہے گا۔ ان کے علاوہ نفس کی باقی خواہشات کو کنٹرول کرنا روزہ کی تکمیل کا باعث ہوتا ہے، اس کے اندر قوت آتی ہے بصورتِ دیگر روزہ کی تکمیل میں کمزوری آتی ہے۔ وہ چیزیں جو روزہ کی حالت میں ممنوع ہیں، اگرچہ ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن روزہ کی نورانیت ضرور زائل ہو جاتی ہے، جو لوگ رمضان کے مہینہ میں اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچاتے ہیں ان کا روزہ کامل ہوتا ہے، ان کا نفس زیادہ قابو میں آجاتا ہے، نتیجتاً رات کے وقت قرآن پاک کے سننے کی افادیت بھی بڑھ جاتی ہے۔

اس میں فقاہت کی بات یہ ہے کہ کوئی شخص دن کو جتنا چاہے سو لے اور رات کو جتنا چاہے جاگ لے۔ رات کے اعمال کا تعلق جاگنے کے ساتھ ہے، روزہ کا تعلق جاگنے کے ساتھ نہیں ہے، دن میں آپ صرف نماز پڑھ لیں، نماز کا وقت ضائع نہ کریں، باقی سارا دن سوتے رہیں، اس سے آپ کے روزے پر فرق نہیں پڑتا، بلکہ روزہ بہتر ہوتا ہے، کیونکہ اگر آپ سو رہے ہیں تو آپ جھوٹ نہیں بولیں گے، بد نظری نہیں ہو گی، غیبت نہیں ہو گی، بری محفلوں میں نہیں جائیں گے، مزید بہت ساری چیزوں سے بچ سکیں گے۔ لہٰذا اگر آپ سو رہے ہیں اور اس سونے میں نیت یہ ہے کہ میں رات کو زیادہ جاگ سکوں، رات کو عبادات زیادہ بہتر کر سکوں تو سبحان اللہ رمضان کی برکتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اس فقاہت سے انسان بہت کچھ پالیتا ہے۔

در اصل ہر شخص کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں۔ میں اکثر دیکھا کرتا ہوں کہ بعض لوگ شادی بیاہ کے لئے چھٹی لیتے ہیں، وہ اس کے لئے اپنے آپ کو مستحق اور مجاز سمجھتے ہیں، وہ سیر سپاٹے کے لئے بھی پندرہ دنوں کی چھٹی لے لیتے ہیں، اس کے علاوہ مزید کئی چیزوں کے لیے چھٹی لے لیتے ہیں اور اس میں بالکل نہیں جھجھکتے، لیکن رمضان شریف کے لئے چھٹی لینا ان کی ترجیحات میں شامل نہیں ہوتا، ان کو سمجھ نہیں ہوتی کہ یہ بھی ایک ایسی چیز ہے جس کے لیے انسان چھٹی لے سکتا ہے۔ یہ بھی ترجیحات میں ہونا چاہیے کیونکہ یہ تو سیزن ہے۔ گیارہ مہینے آپ کام کرتے ہیں، ایک مہینہ اپنے نفس کو قابو کرنے، اس کی اصلاح کرنے کے لیے ملا ہے، اس مہینے میں باقی سب کاموں کو ثانوی حیثیت دینا اور اس ماہ کی مصروفیات کو پہلے نمبر پہ رکھنا بھی ترجیحات میں شامل ہونا چاہیے۔ بعض لوگ اس چیز کو نہیں جانتے حتیٰ کہ وہ آخری عشرہ میں بھی بے پروا رہتے ہیں۔ حالانکہ آخری عشرہ میں رمضان کی رحمتیں اور برکتیں اپنی انتہا پہ ہوتی ہیں، اسی عشرہ میں

لیلۃ القدر کا امکان ہوتا ہے۔ بعض چیزیں مکمل طور پر سنبھالی جاسکتی ہیں، مثلاً اپنی خریداری وغیرہ رمضان شریف سے پہلے کر لیں تاکہ آپ کو بعد میں نہ کرنی پڑے اور انتظامات ایسے کر لیں کہ آپ کو رمضان شریف میں اپنے آپ کو کسی اور کام میں مصروف نہ ہونا پڑے۔

میں اس کی ایک دلیل اسلاف سے عرض کر سکتا ہوں، اس سے ساری چیزیں وضاحت کے ساتھ ثابت ہو جائیں گی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جو پہلے مجدِّد گزرے ہیں، اسلام کی تاریخ میں پہلے مجدِّد وہی تھے۔ انہوں نے ایک گورنر کو کہا تھا کہ مجھ سے ملاقات کرو۔ اس کی طرف سے ملاقات کے لیے جانے میں تاخیر ہو گئی یہاں تک کہ رمضان شریف میں اس کو موقع ملا اور وہ دمشق ملاقات کے لئے آیا۔ اگرچہ انہوں نے خود بلایا تھا لیکن اس پر سخت ناراض ہوئے کہ کیا تمہیں رمضان کے علاوہ کوئی اور مہینہ سفر کے لئے نہیں ملا تھا، رمضان میں کیوں سفر کیا؟

آپ اندازہ لگائیں کہ خلیفہ کے بلانے پر ہی سفر کر کے ملاقات کے لیے آیا ہے، لیکن اسے صرف اس وجہ سے ڈانٹ پڑ رہی ہے کہ رمضان کا مہینہ آچکا ہے، رمضان شریف کے معاملہ میں سارے فارمولے تبدیل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بعض لوگوں کی ترجیحات میں شامل نہیں ہوتا نتیجتاً وہ رمضان شریف کے بہت سارے قیمتی اوقات کو ضائع کر لیتے ہیں۔ یہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ آئندہ جب بھی ایسے مواقع آئیں، ان سے خوب فائدہ اٹھایا جائے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب تم جنت کی چراگاہوں میں پہنچو تو وہاں خوب چرو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے پوچھا کہ جنت کی چراگاہیں کون سی ہیں؟ فرمایا: ذکر کے حلقے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کوئی کام کی چیز وافر مل سکتی ہو، وہاں سستی نہیں کرنی چاہیے، وہاں زیادہ سے زیادہ اس کو حاصل کرنا چاہیے، موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے، رمضان شریف کے مہینہ میں بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے، Multiplication factor (ضربی عنصر) بھی بہت ہوتا ہے، اس ماہ میں ایک تو انسان نیکیوں کے انبار لگا سکتا ہے، دوسرا یہ کہ نیکیوں کے کرنے کی صلاحیت کو بڑھا سکتا ہے اور تیسرا یہ کہ قبولیت بڑھ جاتی ہے۔ یہ تینوں چیزیں ہمارے لئے بے انتہا طور پر مطلوب ہیں۔ رمضان شریف کے مہینے میں یہ خاصیت ہوتی ہے، اس لیے فرمایا:

متن:

اور ماہ رمضان المبارک تمام خیرات و برکات کا جامع ہے اور ہر خیر و برکت جو بھی ہے وہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی طرف سے فیض پہنچا رہی ہے اور اس ذات کے شیونات کا نتیجہ ہے کیونکہ جو شر و نقص بھی وجود میں آتا ہے اس کی ذات وصفات محدثہ کے منشا سے ہے:

﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾

(النساء:79)

ترجمہ: "جو بھی بھلائی تم کو پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو برائی تم کو پہنچتی ہے وہ تمھارے نفس کی طرف سے ہوتی ہے"۔

نص قاطع ہے۔ پس اس ماہ مبارک کی تمام خیرات و برکات ان کمالاتِ ذاتیہ کا نتیجہ ہیں جس کی جامع شان کلام ربانی ہے۔

تشریح: یعنی وہ کمالات ذاتی جو کلام ربانی کے ساتھ متعلق ہیں۔

متن:

اور قرآن مجید اس شانِ جامع کی تمام حقیقت کا حاصل ہے۔ لہذا اِس ماہِ مبارک (رمضان) کو قرآن مجید کے ساتھ مناسبتِ کلی حاصل ہے کیونکہ قرآن مجید تمام کمالات کا جامع ہے اور یہ مہینہ "جامع جمیع خیرات" یعنی ان تمام نیکیوں کا جامع ہے جو کہ ان کمالات کے نتائج و ثمرات ہیں اور یہی مناسبت اس ماہِ مبارک میں قرآن مجید کے نزول کا باعث ہوئی: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرہ:185) (رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا)۔ اور شبِ قدر جو اسی ماہ کا خلاصہ اور لبِّ لباب ہے (وہ رات گویا) اس کا مغز ہے اور یہ مہینہ اس کے پوست کی مانند ہے۔

تشریح:

اگر آدمی پورے رمضان میں مستعد رہے مگر اس سے لیلۃ القدر چھوٹ جائے تو اس نے بہت زیادہ حصہ ضائع کر دیا۔ پورا سال عبادت کرتا رہا لیکن رمضان میں عبادت نہ کی تو بہت زیادہ نقصان کر لیا، کیونکہ عام دنوں میں اس کے برابر پہنچ ہی نہیں سکتا۔ ہم لوگوں کو اس نظام کو سمجھ لینا چاہیے۔

متن:

پس جو شخص اس مہینہ کو جامعیت (یعنی تمام فرائض کو بحسن و خوبی) کے ساتھ گزارے گا وہ اس کی تمام خیر و برکت سے مالا مال ہو گا اور (ان شاء اللہ) تمام سال جمعیت (و اطمینان) سے گزرے گا اور خیر و برکت کے ساتھ بہرہ ور ہوتا رہے گا۔

حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے فرمایا ہے: "**إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَىٰ تَمْرٍ فَإِنَّهُ بَرَكَةٌ**" (جب تم میں سے کوئی شخص روزہ افطار کرے تو اس کو کھجور سے افطار کرنا چاہیے کیونکہ اس میں برکت ہے)

تشریح:

افطار توسب کو کرنا ہی ہوتا ہے، لیکن اس میں برکت زیادہ ہے۔

متن:

آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھجور سے روزہ افطار کرتے تھے۔ اور کھجور میں برکت کی وجہ یہ ہے کہ اس کا درخت نخلہ کہلاتا ہے جو اپنی جامعیت اور صفتِ اعدلیت کے لحاظ سے انسان کی طرح مخلوق ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت پیغمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے نخلہ کو بنی آدم کی عمّہ (پھوپھی) فرمایا ہے کیونکہ وہ طینتِ آدم (آدم کی بقیہ مٹی) سے پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: "**أَكْرِمُوا عَمَّتَكُمُ النَّخْلَةَ فَإِنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ بَقِيَّةِ طِينَةِ آدَمَ**" (اپنی پھوپھی یعنی درخت خرما کی تعظیم کرو کیونکہ یہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بقیہ مٹی سے پیدا کی گئی ہے)۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کا نام "برکت" اسی جامعیت کے اعتبار کی وجہ سے رکھا گیا ہو۔ لہٰذا اس کے پھل یعنی کھجور سے افطار کرنا صاحبِ افطار کا جزو بن جاتا ہے اور درخت کی حقیقتِ جامعہ اس جزئیت کے اعتبار سے اس کے کھانے والے کی حقیقت کا جزو بن جاتی ہے اور اس کا کھانے والا اس اعتبار سے ان بے شمار کمالات کا جامع ہو جاتا ہے جو اس کھجور کی حقیقت جامعہ میں مندرج ہیں۔

تشریح:

اس حدیث شریف پہ کچھ کلام ہے، چونکہ ہم حدیث شریف پہ بات کرنے کے لائق نہیں ہیں لہٰذا ہم اس کے بارے میں خاموش رہیں گے، لیکن کم از کم ایک بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ کھجور سے روزہ افطار کیا کرتے تھے، ہمارے لئے یہ بات کافی ہے۔ اس کے اندر کیا حکمت ہے یہ تو اللہ کو پتا ہے لیکن بات تو ثابت ہے کہ آپ ﷺ کھجور سے روزہ افطار کیا کرتے تھے۔

متن:

یہ مطلب اگرچہ اس کے مطلق کھانے میں بھی حاصل ہو جاتا ہے لیکن افطار کے وقت جو روزہ دار کے شہواتِ مانعہ اور لذاتِ فانیہ سے خالی ہونے کا وقت ہے، اس کا کھانا زیادہ تاثیر رکھتا ہے۔

تشریح:

جب آپ خالی پیٹ دوائی کھاتے ہیں تو بہت زیادہ اثر کرتی ہے کیونکہ اس وقت دوا کے آپ کے جسم کا جز بننے میں کوئی اور رکاوٹ نہیں ہوتی، اس کی purity (خالص پن) پوری ہوتی ہے، وہ پوری طرح آپ کے جسم کو مل جاتی ہے۔ اگر آپ نے پہلی چیز ہی دوائی کھائی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ معدہ اس کے لئے تیار ہے، جیسے ہی دوائی معدہ میں پہنچ جائے گی، ہضم ہو جائے گی اور آپ کو اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ مل جائے گا۔

متن:

اور یہ مطلب کامل اور پورے طور پر ظاہر ہو جاتا ہے اور یہ آنسرور عالم علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا: **"نِعْمَ سُحُوْرِ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ"** (مومن کی بہترین سحری تمر (کھجور ہے)۔ اس

اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ اس کی غذا میں جو صاحبِ غذا کا جزو بن جاتی ہے اس غذا کی حقیقت کے ذریعے سے اس صاحبِ غذا کی حقیقت کی تکمیل ہے نہ کہ اس کی غذا کی حقیقت اور جب یہ مطلب روزہ میں مفقود ہے تو اس کی تلافی کے لئے تمر (کھجور) کی سحور پر بھی ترغیب فرمائی کہ گویا اس کا کھانا تمام ماکولات کے کھانے کا فائدہ رکھتا ہے۔ اور اس کی برکت جامعیت کے اعتبار سے افطار کے وقت تک رہتی ہے اور غذا کا یہ فائدہ جو مذکور ہو چکا ہے اس تقدیر پر مرتب ہوتا ہے کہ وہ غذا تجویز شرعی کے مطابق واقع ہو اور شرعی حدود سے سرمو تجاوز نہ ہو۔ اور نیز اس فائدہ کی حقیقت اس وقت میسر ہوتی ہے جب کہ اس کا کھانے والا صورت سے گزر کر حقیقت تک جا پہنچا ہو اور ظاہر سے باطن تک پہنچ گیا ہو تا کہ غذا کا ظاہر اس کے ظاہر کو مدد دے اور غذا کا باطن اس کے باطن کو مکمل کر دے ورنہ صرف ظاہری امداد ناقص ہے بلکہ اس کا کھانے والا عین کمی میں ہے۔

سعی کن تا لقمہ را سازی گہر

بعد ازاں چنداں کہ می خواہی بخور

ترجمہ:(بنا لقمے کو کوشش سے تو گوہر

پھر اس کو کھا برابر سیر ہو کر)

جلدی افطار کرنے اور سحری دیر سے کھانے میں حکمت یہی ہے کہ صاحب غذا کی غذا سے تکمیل ہو جائے۔ والسلام۔

تشریح:

اس میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کھجور کی برکات کا ذکر بھی کیا ہے۔

جن چیزوں کا ذکر قرآن میں ہے یا احادیث شریفہ میں ہے اور ان کے اندر برکت بتائی گئی ہے، ان میں بہت زیادہ فوائد ہوتے ہیں، جب ان پر طبی تحقیق کی جاتی ہے تو وہ بہت سارے فوائد سے مالا مال نکلتی ہیں، مثلاً کھجور، شہد، دودھ، انار، زیتون اور انجیر وغیرہ۔ ان میں بہت سارے فائدے ہوتے ہیں۔ بعض فائدے تو انسان دریافت کر چکے ہیں اور ممکن ہے بعد میں زیادہ تفصیل کے ساتھ دریافت ہو جائیں۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ جن کا ذکر قرآن اور حدیث میں ہے، ان غذاؤں میں بے تحاشا فوائد ہیں، انہی میں سے ایک کھجور بھی ہے، واقعی اس کے بہت سارے فائدے ہیں، اس کے کھانے کے اندر بہت زیادہ غذائیت ہے، اس کے اندر معدنی عناصر (minerals) ہیں اس کے علاوہ مزید کئی ایسی چیزیں ہیں جو انسان کے جسم کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔

ہم لوگ Test based calculation کرتے ہیں۔ مثلاً خالص پانی میں جو کچھ ہے وہ شربت میں نہیں ہے اور شربت چینی کا ہو تو مصیبت ہے، اس کے مقابلے میں گڑ کا شربت نسبتاً بہتر ہے۔ سرخ شربت آج کل بہت پسند کیا جاتا ہے، جیسے روح افزا اور جام شیریں، یہ تو زہر ہے، آپ لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے۔

میں نے ایک دن ڈاکٹر سلمان صاحب سے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب جب میں یہ سرخ شربت پیتا ہوں، میرے پیٹ میں درد ہو جاتا ہے۔ وہ ہنس کے کہنے لگے: آپ کا پیٹ کتنا سچا ہے! میں نے کہا: کیوں؟ کہتے ہیں کہ اس کے اندر جو preservatives (فیکٹری میں تیار ہونے والی خوراک کو دیر تک محفوظ رکھنے کیلئے ڈالے گئے کیمیکلز) ہیں وہ قابل قبول سطح سے بیس گنا زیادہ ہیں، بہت سے لوگوں کو اس کا پتا فوری طور پر نہیں چلتا، جس سے ان کو نقصان ہو جاتا ہے، ان کا اثر

جلدی ظاہر نہیں ہوتا مگر آپ کا پیٹ اس کو فوراً ظاہر کر دیتا ہے، اس لئے میں کہتا ہوں آپ کا پیٹ بہت سچا ہے کہ اس نے اس شربت کی شرارت جلدی بتادی۔

یہ شربت وغیرہ اس قسم کی چیزیں ہیں۔ اگر مزید نقصان چاہتے ہو، خوشنما زہر پینا چاہتے ہو، تو پیپسی کولا اور کوکا کولا بھی پی سکتے ہو۔ اب تو نوبت یہاں تک آچکی ہے کہ مسلمان تو در کنار، غیر مسلم بھی ان مشروبات کے نقصانات پر بہت زور دینے لگے ہیں۔ آپ اندازہ کرلیں کہ یہ اتنی کڑوی چیز ہے کہ اسے میٹھا بنانے کے لئے ایک گلاس میں 7 چمچ چینی ڈالنی پڑتی ہے۔ اگر آپ ایک بوتل پی لیں تو آپ کی پورے دن کی کیلوریز اسی ایک گلاس سے پوری ہو جائیں آپ کو مزید کیلوریز کی ضرورت نہیں، اب مزید آپ جتنی کیلوریز لیں گے وہ آپ کے اوپر بوجھ ہے۔ غور کریں کہ ان لوگوں نے کیسے تحقیق کی ہے اور کیسی چیزیں بنائی ہیں، پھر ان کا اتنا پروپیگنڈہ کیا ہے اور لوگوں کے شعور میں ان کو اس طرح داخل کیا ہے کہ ان کی کوئی چیز اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ ہمیں ذرا خیال رکھنا چاہیے اور اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔

مکتوب نمبر 4 (جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ کو لکھا ہے) میں فرماتے ہیں:

متن:

عریضہ: آنجناب کا کمترین خادم گذارش کرتا ہے کہ مدت سے حضور کا کوئی گرامی نامہ صادر نہیں ہوا جس کی وجہ سے اس بلند بارگاہ کے خادموں کی کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی، ہر وقت انتظار ہے۔ ماہِ مبارک رمضان شریف کا آنا مبارک ہو، اس مبارک مہینے کو قرآن مجید کے ساتھ جو کہ تمام ذاتی و شیونی کمالات کا جامع ہے

تشریح:

ذات، شیونات، صفات، اسماء اور افعال۔ حضرت درجہ بدرجہ بات کر رہے ہیں۔ اللہ جل شانہ کی ذات بنیاد اور اصل ہے، شیونات ذات کے ساتھ متعلق ہیں، صفات اللہ تعالیٰ کی ذات پہ زائد ہیں لیکن وہ شیونات سے ہی نکلی ہوئی ہیں اور شیونات پہ منحصر اور مرتفع ہیں، پھر صفات پر اسماء مرتفع ہیں۔ مثلاً سچ صفت ہے تو سچا، سچ بولنے والا اسمِ صفت ہے، قوت ایک صفت ہے تو قوی (قوت والا) اسمِ صفت ہے۔ اسماء صفات پر مرتفع ہیں اور پھر افعال اسماء پر مرتفع ہیں، مثلاً سچے آدمی کا فعل سچ بولنا ہے، قوی کا فعل قوت کا استعمال کرنا ہے۔

متن:

اس مبارک مہینے کو قرآن مجید کے ساتھ جو کہ تمام ذاتی و شیونی کمالات کا جامع ہے اور اس دائرہ اصل میں داخل ہے جس میں کسی ظلیت و فرعیت کو دخل نہیں ہے۔ اور قابلیتِ اولی یعنی حقیقتِ محمدیہ (ﷺ) اس کا ظِلّ ہے۔

تشریح:

یعنی اس کلام کا ظِلّ ہے۔

متن:

جس کو کامل مناسبت حاصل ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے قرآن مجید کا نزول اسی ماہ مبارک میں واقع ہوا ہے۔ آیۂ کریمہ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرۃ: 185) (رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا) میں اسی بات کا بیان ہے، اور

اسی مناسبت کی وجہ سے یہ مہینہ بھی تمام بھلائیوں اور برکتوں کا جامع ہے، جو برکت اور بھلائی تمام سال میں جس کسی شخص کو اور جس راستہ سے بھی پہنچتی ہے وہ اس عظیم الشان ماہ مبارک کی برکتوں کے بے پایاں سمندر کا ایک قطرہ ہے، اور اس ماہ مبارک میں دل جمعی کا حاصل ہونا تمام سال کی جمعیت حاصل ہونے کا سبب ہے اور اس ماہ مبارک کا تفرقہ (انتشار و پراگندگی) تمام سال کے تفرقہ کا سبب ہے۔ پس اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس پر مہینہ اس حالت میں گزر گیا کہ وہ اس سے راضی و خوش ہوا اور اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جس پر یہ مہینہ ناراض ہوا اور وہ شخص اس ماہ مبارک کی خیرات و برکات سے محروم رہا۔ اور ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کا ختم کرنا اس ماہ مبارک میں اسی لئے سنت ہوا ہو تاکہ تمام اصلی کمالات اور ظلی برکات حاصل ہو جائیں۔ پس جس نے ان دونوں (یعنی کمالاتِ اصلی و برکاتِ ظلی) کو جمع کیا امید ہے کہ وہ اس ماہ مبارک کی برکتوں اور نیکیوں سے محروم نہیں رہے گا۔ جو برکتیں اس ماہ مبارک کے دنوں سے وابستہ ہیں وہ اور ہیں، جو برکتیں اس ماہ مبارک کی راتوں سے تعلق رکھتی ہیں وہ اور ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ روزہ کے افطار میں جلدی کرنا اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا افضل و اولیٰ ہونے کا حکم اسی حکمت کی وجہ سے ہوا، تاکہ دونوں وقتوں کے اجزاء کے درمیان پوری طرح امتیاز حاصل ہو جائے۔

تشریح:

یعنی آپ کو رات کی برکتیں بھی پوری پوری حاصل ہو جائیں اور دن کی برکتیں بھی۔

آج کل کی ریسرچ کے مطابق انسان کا جسم بہت سارے منرلز کا جامع ہے، وہ معدنی عناصر (minerals) انسان کے جسم کے اندر ایک خاص مقدار میں ہونے چاہئیں جیسے میگنیشئم

ہے، کیلشئم ہے، میگنیز اور آئرن وغیرہ ہیں، انسانی جسم میں ان سب کی ایک خاص مقدار ہونی چاہیے، اگر یہ اس سے زیادہ ہو جائیں تو نقصان ہوتا ہے اور کم ہو جائیں تو بھی نقصان ہوتا ہے۔

دن کی برکت کو آپ ایک عنصر سمجھ لیں اور رات کی برکت کو دوسرا عنصر سمجھ لیں۔ رمضان شریف میں اگر آپ نے روزہ کھولنے میں تاخیر کی تو آپ نے گویا رات میں دن کو داخل کر لیا، اس طرح دن کا حصہ بڑھ گیا اور رات کا کم ہو گیا، رات کا جتنا ہونا چاہیے تھا اتنا نہیں ہوا اور دن کا جتنا ہونا چاہیے تھا وہ بھی نہیں ہوا، کیونکہ دن کا حصہ کچھ بڑھ گیا اور رات کا کچھ کم ہو گیا، ایک میں کمی رہ گئی دوسرے میں زیادتی ہو گئی۔ بعینہٖ اگر آپ نے سحری کے وقت بہت جلدی سحری ختم کر لی تو رات کا حصہ کم کر لیا اور دن کا بڑھا دیا، گویا آپ نے توازن قائم نہیں رکھا لہٰذا آپ نے پورا پورا نہیں کمایا۔

متن:

اور ہو سکتا ہے کہ روزہ کے افطار میں جلدی کرنا اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا افضل و اولیٰ ہونے کا حکم اسی حکمت کی وجہ سے ہوا، تاکہ دونوں وقتوں کے اجزاء کے درمیان پوری طرح امتیاز حاصل ہو جائے۔

تشریح:

یعنی رات اور دن کے دونوں حصے مطلق اعتدال کے ساتھ پورے ہو جائیں۔

مکتوب نمبر 17 دفتر سوم میں فرمایا کہ:

متن:

کیونکہ وہ فرض کی ادائیگی ہے اور یہ نفل کو بجالانا ہے اور ادائے نفل کی نسبت کا فرض کی ادائیگی کے مقابلہ میں کوئی شمار و اعتبار نہیں ہے۔ کاش کہ اس کو دریائے محیط کے مقابلے میں ایک قطرہ کی نسبت ہوتی۔ یہ شیطان ملعون کی رنگینی ہے کہ لوگوں کو فرائض سے باز رکھ کر نوافل کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور زکوٰۃ سے باز رکھتا ہے۔ اور رمضان المبارک کے روزے بھی واجباتِ اسلام اور ضروریاتِ دین میں سے ہیں ان کی ادائیگی کا بھی اہتمام کرنا چاہیے اور شرعی عذر کے بغیر روزہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "روزہ دوزخ کی آگ سے ڈھال ہے" اور اگر ضروری موانع کی وجہ سے جیسے مرض وغیرہ میں روزہ قضا ہو جائے تو بلا توقف اس کو ادا کرنا چاہیے اور سستی کاہلی کی وجہ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔ انسان (اپنے مولیٰ کا) بندہ و غلام ہے خود مختار نہیں ہے۔ اس کو اپنے مولا حق جل وعلا کے اوامر و نواہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے بغیر چارہ نہیں ہے تاکہ نجات کی امید متصور ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرے گا تو وہ سرکش بندہ ہے اور اس کی سزا مختلف قسم کے عذاب ہیں۔

تشریح:

رمضان شریف کے روزوں کی بات پوری ہو گئی اب زکوۃ کی بات ہو گی۔ حضرت مکتوب نمبر 73 دفتر اول میں ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

اور مال کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی ارکانِ اسلام میں سے ہے اس کو بھی ضرور ادا کرے۔ اس کی ادائیگی کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنے مال سے جس قدر فقراء کا حق (زکوٰۃ) ہے ہر سال کے حساب سے علیحدہ کر دے اور زکوٰۃ کی نیت سے محفوظ رکھتے ہوئے تمام سال میں زکوۃ کے

مصارف میں خرچ کرتا رہے۔ اس طریقے سے ہر مرتبہ دیتے وقت زکوۃ ادا کرنے کی نئی نیت کرنا ضروری نہیں ہے صرف زکوۃ کا حصہ علیحدہ کرتے وقت ایک دفعہ کی نیت ہی کافی ہے معلوم ہے (یعنی آپ کو اندازہ ہو گا) کہ پورے سال میں فقراء و مستحقین پر کس قدر خرچ کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ زکوٰۃ کی نیت سے نہیں ہے اس لئے وہ زکوٰۃ کے حساب میں شمار نہیں ہو گا اور مذکورہ بالا صورت میں زکوٰۃ بھی ادا ہو جاتی ہے اور بے اندازہ خرچ سے بھی چھٹکارہ مل جاتا ہے اور اگر بالفرض سال میں اس قدر (بقدر حصہ زکوٰۃ) فقراء پر خرچ نہ ہو سکے اور کچھ باقی بچ جائے تو اس کو اسی طرح اپنے مال سے علیحدہ محفوظ رکھیں (اور آئندہ سال خرچ کریں) ہر سال اسی طرح عمل کرتے رہیں، جب فقراء کا مال جدا ہو جاتا ہے تو اگر آج اس کے ادا کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی تو شاید کل توفیق ہو جائے۔

اے فرزند! چونکہ نفس بالذات (فطرۃً) بہت بخیل ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لانے میں سرکش واقع ہوا ہے اس لئے ناچار مبالغہ سے بات کہی جاتی ہے ورنہ فی الحقیقت اموال واملاک سب اللہ تعالیٰ کی ہیں، انسان کی کیا مجال ہے کہ اس (کی ادائیگی) میں دیر کرے۔

تشریح:

بعض لوگ بات کو بہت اچھی طرح سمجھا دیتے ہیں، ایک صاحب نے بہت اچھا تجزیہ کیا تھا۔ فرمایا: آپ کیلے خریدتے ہیں، انہیں کھانے سے پہلے اس کا چھلکا اتارتے ہیں، بعد میں اسے پھینکتے ہیں تو آپ کو اس کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی، حالانکہ وہ کیلوں کی قیمت میں ہی آئے ہیں پھر بھی انہیں پھینکتے ہوئے آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی، اسی طرح اخروٹ سے گری نکالتے ہیں اور چھلکے پھینکتے ہیں، مالٹے سنگترے وغیرہ کا پھل کھا لیتے ہیں اور چھلکے پھینک دیتے ہیں، آپ کو اس کی

کوئی تکلیف نہیں ہوتی کیونکہ آپ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار ہوتے ہیں کہ یہ میرے نہیں ہیں، یہ میرے پیٹ میں نہیں جاسکتے، اگر جائیں گے تو نقصان کا باعث ہوں گے۔ اسی طرح زکوۃ کی مثال ہے اس کے ڈھائی فیصد کو ذہن میں ایسا ہی سمجھو کہ یہ میرے لئے نہیں ہے، یہ میرے پیٹ میں جائے گا تو نقصان ہو گا، کوئی مصیبت کھڑی کرے گا۔ اس وجہ سے اس کے بارے میں یہ ذہن بنالو کہ یہ مال میرا ہے ہی نہیں، اپنے آپ کو اس کا مالک سمجھو ہی نہیں، پھر آپ کو پریشانی نہیں ہو گی اور ادا کرنے میں مسئلہ نہیں ہو گا۔ لیکن اگر آپ نے اپنے آپ کو ایک دفعہ بھی اس کا مالک سمجھ لیا، پھر اس کو دل سے جدا کرنا بڑا مشکل کام ہے، کیونکہ جیسے حضرت نے فرمایا، نفس فطرتاً بخیل واقع ہوا ہے۔

کہتے ہیں، ایک دفعہ ایسے ہوا، ایک صاحب راستہ پہ جارہے تھے، ان کو ایک شخص روتے ہوئے ملے۔ پوچھا: بھئی کیوں رورہے ہو؟ کہتا ہے: میرا ایک ٹکا گم ہو گیا ہے۔ ان وقتوں میں ٹکا ہوا کرتا تھا۔ اس نے جیب سے ایک ٹکا نکالا اور کہا جاؤ، اب مت روؤ۔ ایک ٹکا اسے دے کر چلا گیا۔ جب واپس آرہا تھا تو دیکھا وہ آدمی پھر رورہا ہے۔ اس نے کہا: بھئی اب کیوں رورہے ہو؟ اس نے کہا: اگر پہلا ٹکا گم نہ ہوا ہوتا تو اب میرے پاس دو ٹکے ہوتے۔

اس کے رونے کی وجہ یہی تھی کہ اس نے اس ٹکے کو اپنے مال میں شامل کر لیا تھا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عجیب بات فرمائی۔ فرمایا کہ لوگوں کو اگر اچانک کوئی اضافی آمدنی ہو جائے، مال مل جائے تو اس پر شکر کرتے ہیں، لیکن ان کو ہر مہینہ جو تنخواہ ملتی ہے اس پر شکر نہیں کرتے، حالانکہ وہ زیادہ فائدہ مند چیز ہے، اس کے لئے باقاعدہ مینیجمنٹ کر سکتے ہیں، جب کہ اضافی آمدن کے لئے مینجمنٹ نہیں کر سکتے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں اگر اضافی پیسے مل جائیں تو ان کو بھی اپنے مال میں شامل کرتے ہیں، پھر انہیں جدا کرنا ان کے لئے بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ اگر اضافی مال ملا ہے تو تم بھی آگے بڑھ کے کچھ اضافی خرچ کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو۔

بعض لوگ بڑے ہوشیار ہوتے ہیں۔ ہمارے ایک پڑوسی تھے۔ ان کا crush مشینیں بنانے کا کارخانہ تھا۔ یہ بہت بڑی چیز ہوتی ہے۔ ایک ایسا وقت آیا کہ کاروبار میں مندا ہو گیا، کام نہیں چل رہا تھا، کوئی سیاسی وجہ تھی۔ اس نے کہا: مجھے روزانہ تقریباً دس لاکھ روپے کا نقصان ہو رہا ہے۔ میں نے کہا: پھر آپ کیسے برداشت کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: کمایا بھی تو اسی سے ہے۔ یہ مثبت سوچ ہے۔ جس کے ذہن میں یہ بات ہے کہ میں نے اسی سے کمایا ہے، اب جا رہا ہے تو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں، تجارت ہوتی ہی یہ ہے کہ کبھی جاتا ہے، کبھی آتا ہے۔ تبھی تو تجارت ہے ورنہ تو یہ سود ہو گا۔ بعض لوگوں کی مثبت سوچ ہوتی ہے، ایسے لوگوں کو پریشانی نہیں ہوتی۔ یہ نفسیاتی باتیں ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک آدمی بڑی پریشانی میں تھا، اس سے پوچھا گیا: کیا بات ہے، مسئلہ کیا ہے؟ کہنے لگا: یار آج ہمارا سیٹ نامکمل ہو گیا، بچے نے اس میں سے ایک پیالہ توڑ دیا ہے۔ عورتوں کو ایسی چیزوں کا بڑا خیال ہوتا ہے، لیکن بعض مرد بھی عورتوں کی طرح ہوتے ہیں۔ خیر یہ تو ایک واقعہ ہوا، کچھ دنوں کے بعد ایک اور واقعہ ہوا، ایک آدمی ذرا ذرا سی بات پہ ہنس پڑتا تھا جیسے کوئی بہت خوشی کی بات ہوئی ہے اور وہ اس پر بڑے ہشاش بشاش موڈ میں ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ کیا واقعہ ہوا ہے؟ وہ کہتا ہے: یار آج میرے بچے سے چائے دانی گری ہے اور دو ٹکڑے ہو گئی ہے۔

اس نے اس بات کا لطف لیا۔ دیکھیں بات ایک ہی ہے لیکن ایک اس سے پریشانی میں جا رہا ہے، دوسرا اس سے لطف لے رہا ہے، واقعتاً اس میں لطف لینے کی ہی بات ہے۔

محسن احسان صاحب ہمارے انگریزی کے استاد تھے، انہوں نے ایک شعر کہا تھا:

خدا کا شکر ہے محسن کہ اب میرا بیٹا
قدم ملا کے میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا

وہ اپنے بیٹے کے بڑے ہونے پر خوش تھے۔ کیونکہ اگر بچہ کوئی چیز توڑ لیتا ہے تو آخر وہ اتنا قابل ہو گیا ہے کہ کوئی چیز توڑ سکتا ہے، اس میں بھی ایک خوشی کا پہلو ہے۔ جو لوگ اس چیز سے مالا مال ہوتے ہیں وہ اس سے لطف بھی لیتے ہیں۔

بعض لوگوں کو زکوۃ دینے میں بخل ہوتا ہے۔ اس بات کو اس انداز میں سمجھا جائے کہ اگر مجھے کوئی چالیس ہزار روپے دے دے اور کہہ دے کہ سال میں مجھے صرف ایک ہزار روپے دے دیا کرو۔ باقی تم رکھو تو میں اس کا کتنا شکریہ ادا کروں گا، میں کہوں گا، کمال ہے، پیسہ سارا اس کا ہے اور مجھے کہتا ہے صرف ایک ہزار روپیہ مجھے دے دیا کرو، باقی تم رکھا کرو۔

اسی طرح یہ مال اللہ پاک نے ہمیں دیا ہوا ہے اس میں صرف چالیسواں حصہ مانگتا ہے اور چالیسواں مانگنا بھی ہمارے لئے ہے، ہمارے لئے ہی وہ جمع ہو جاتا ہے جیسے حکومت بھی ہمارے لئے جی پی فنڈ کی شکل میں جمع کرتی ہے، ہم سے لیتی ہے اور پھر ہمیں ہی دے دیتی ہے۔ اسی طرح اللہ پاک اس کو ہمارے لئے جمع فرماتے ہیں۔ اگر ہم اس معنی میں لیں تو پھر کبھی بھی زکوۃ دینے میں بخل نہیں ہو گا اور ہم خوشی خوشی زکوۃ دیں گے۔ ان شاء اللہ۔

متن:

اور اسی طرح باقی تمام عبادات میں اپنے آپ کو کسی وجہ سے بھی معاف نہ رکھے اور بندوں کے حقوق ادا کرنے میں پوری طرح کوشش کرنی چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ کسی کا

حق اپنے ذمہ نہ رہ جائے، اس جگہ (دنیا میں) اس حق کا ادا کرنا آسان ہے نرمی اور خوشامد سے بھی دوسرے کا حق رفع ہو سکتا ہے، آخرت میں مشکل ہے اس کا کوئی حل نہ ہو گا۔ شرعی احکام علمائے آخرت سے دریافت کرنے چاہئیں، ان کی بات میں بڑی تاثیر ہے شاید ان کے انفاس کی برکت سے اس پر عمل کی توفیق بھی حاصل ہو جائے، اور علمائے دنیا سے جنھوں نے علم کو مال و جاہ کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے دُور رہنا چاہیے لیکن اگر متقی پرہیز گار عالم نہ ملے تو مجبوراً بقدر ضرورت ان کی طرف رجوع کیا جائے۔

تشریح:

دنیادار علماء کی بجائے دین دار علماء سے بات کی جائے کیونکہ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ ان کی گفتگو کے اثر سے آپ کو عمل کی توفیق ہو گی۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بُود

گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بُود

"اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے، اگرچہ وہ اللہ کے بندے کی زبان سے ادا ہوتی ہے"۔

لیکن اگر دین دار علماء میسر نہیں ہیں تو آپ کسی عالم سے بھی معلوم کر سکتے ہیں کیونکہ مسئلہ جاننا ضروری ہے۔

مکتوب نمبر 123 میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

متن:

اس بیان میں کہ نفل کا ادا کرنا اگرچہ حج ہی کیوں نہ ہو اگر وہ کسی فرض کے فوت ہونے کا سبب بنتا ہو تو وہ بھی لایعنی میں داخل ہے۔ میرے نیک بخت بھائی لَا زَالَ بِاسْمِہٖ طَاھِرًا عَنْ

دَنَسِ التَّعَلُّقَاتِ (اپنے نام کی طرح ہمیشہ غیر اللہ کے تعلقات کی آلودگی سے طاہر و پاک رہیں) کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ اے بھائی! حدیث شریف میں وارد ہے: عَلَامَةُ اِعْرَاضِهٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُهٗ بِمَا لَا یَعْنِیْهِ (بندہ کا لایعنی (بیکار) باتوں میں مشغول ہونا بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی روگردانی کی ایک علامت ہے)۔

تشریح:

یعنی اللہ پاک نے اسے چھوڑ دیا ہے اور اس کو ڈھیل دے دی ہے۔

متن:

فرائض میں سے کسی ایک فرض کو چھوڑ کر نوافل میں سے کسی نفل عبادت میں مشغول ہونا لایعنی (بیکار باتوں) میں داخل ہے۔ پس اپنے احوال کی تفتیش کرنا (جائزہ لینا) ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ کس چیز میں مشغول ہے، آیا نفل میں یا فرض میں، ایک نفلی حج کی خاطر اتنے ممنوعات کا مرتکب ہونا اچھا نہیں ہے آپ خود ملاحظہ فرمالیں۔ اَلْعَاقِلُ تَكْفِیْهِ الْاِشَارَةُ (عقلمند کے لئے ایک اشارہ کافی ہے) وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَ عَلٰی رُفَقَائِكُمْ (آپ پر اور آپ کے احباب پر سلام ہو)۔

تشریح:

اگر کوئی آدمی زیادہ حج کرلے تو بعض اوقات ایک بات بن جاتی ہے کہ فلاں نے اتنے حج کئے ہوئے ہیں، حضرت نے اس چیز سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے کہ ایسی چیزوں کے پیچھے نہ پڑو، آپ کے ذمہ جو فرائض لازم ہیں انہیں پورا کرو۔

اگر آپ فرض حج کر چکے ہیں تو نفلی حج کرنا ایک debatable (بحث طلب) بات ہے۔ نفلی حج ایک ایسا معاملہ ہے جس کا حکم مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہے، اس کا ہر ایک کے لئے ایک حکم نہیں ہے۔

مجھ سے بہت سارے لوگ پوچھتے ہیں کہ آپ ہر سال حج پہ کیوں جاتے ہیں، بلکہ بعض لوگ اعتراض بھی کرتے ہیں، میں ان سے کہتا ہوں خدا کے بندو میرا حج تو نفلی ہوا، لیکن اگر میرے نفلی حج کے ذریعہ سے بعض لوگوں کے فرض حج ہو جائیں، یا ان کے بقول ان کے فرض اچھے ادا ہو جائیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ میں خود اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا۔ لیکن بقول ان لوگوں کے وہ استحضار میں ہوتے ہیں کہ ہمارا حج اچھا ہو جاتا ہے۔ میرے نفلی حج کا یہ بھی ایک فائدہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پورے عالمی نظام میں جو نیک لوگ کام کرتے ہیں، ہمارا حج کرنا ان کے ساتھ ملاقات کا ایک ذریعہ ہوتا ہے، ہم کسی اور طریقہ سے اس طرح آسانی سے سب کے ساتھ نہیں مل سکتے لیکن وہ ایک عالمی مقام ہے، وہاں سب دین کے مقصد کے لئے آتے ہیں، لہٰذا جن جن سے ملاقات کرنی ہو، ان سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

میں اس کے لئے بطور دلیل امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عمل پیش کرتا ہوں۔ امام صاحب نے 52 حج کئے تھے، اور ان دنوں حج آسان نہیں تھا، اب تو آپ جہاز میں بیٹھ جائیں، چار پانچ گھنٹوں میں جدہ پہنچ جائیں گے، تب گھوڑوں پہ جانا ہوتا تھا، اونٹوں پہ جانا ہوتا تھا، اگر مہینوں کا نہیں تو دنوں کا سفر ضرور ہوتا تھا۔ کوفہ سے جانا ہوتا تھا۔ میں آپ کے پاس امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ

علیہ سے بڑا فقیہ تو نہیں لا سکتا۔ اگر ان کا عمل یہ بتا رہا ہے تو اس کا مطلب ہے اس کے اندر کچھ بات ہے، تبھی انہوں نے بھی اتنے حج کئے۔

اس وجہ سے یہ debatable (بحث طلب) بات ہے اور ہر آدمی کے لحاظ سے اس کا حکم الگ ہے، بعض لوگوں کے لئے یہ ٹھیک نہیں ہے، بعض لوگوں کے لئے ٹھیک ہے، بعض لوگوں کے لئے اچھا ہے، بعض لوگوں کے لئے ممنوع ہے، بعض لوگوں کے لئے مکروہ ہے اور بعض لوگوں کے لئے فرضوں کا قائم کرنے والا ہے۔ ہر ایک کے لئے اس کا حکم جدا جدا بنے گا۔

متن:

میرے بھائی خواجہ محمد طاہر بدخشی کا مکتوب شریف موصول ہوا **لِلّٰہِ سُبْحَانَہُ اَلْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ**، ایک عرصہ کی جدائی کے باوجود فقراء کے اخلاص و محبت کے نشان والے! جب آپ نے رخصت طلب کی تھی اور حج پر جانے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا تو الوداع ہونے کے وقت احتمال کے ساتھ اتنا ذکر ہوا تھا کہ شاید ہم بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ مل جائیں **(شاید ماہم بشما دریں سفر ملحق شویم)**۔ ہر چند ارادہ کیا لیکن استخارے موافق نہیں آئے اور اس بارے میں کوئی تجویز سمجھ میں نہیں آئی مجبوراً توقف کیا۔ فقیر کی مرضی ابتداء ہی سے آپ کے (سفر حج پر) جانے کے بارے میں نہ تھی لیکن آپ کے شوق کو دیکھ کر صاف طور پر منع نہ کیا تھا۔ استطاعت راستہ کی شرط ہے، بغیر استطاعت کے تضییع اوقات ہے۔ ضروری کام چھوڑ کر غیر ضروری کام اختیار کرنا مناسب نہیں۔ اس مضمون کے کئی مکتوب آپ کو لکھے جا چکے ہیں۔

تشریح:

یہ اُس دور کی بات ہے۔ اُس دور میں ہندوستان سے باہر جانا محفوظ نہیں تھا، راستے کے مسائل تھے، اب بھی اگر جہاز والا سفر ختم ہو جائے تو بہت مشکل ہو جائے۔ اگر جہاز والا سفر نہ رہے تو ایران سے گزرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اسی طرح راستے کے اور بہت سارے مسائل

ہیں۔ میرے خیال میں شاید ایک دو دفعہ ایسا ہوا ہے کہ لوگ اس طرح گئے ہیں، ان کو بڑی پریشانی ہوئی ہے جو گاڑیوں سے گئے تھے۔ جب کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تو اور بھی زیادہ مسائل تھے، اس لئے اس وقت حج کا سفر ہندوستان والوں کے لئے بہت مشکل تھا۔

مشکل تو ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ حالات کچھ بدل جاتے ہیں تو آسان بھی ہو جاتا ہے، لیکن لوگ پھر اُسی پہ چلتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ وہی حالات ہیں۔ اس چیز کو ختم کرنے کے لئے ایک مجدد حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کام کیا تھا، انہوں نے باقاعدہ قافلہ کے طور پر حج کیا تھا۔ حضرت نے دو سنتیں زندہ کی تھیں جنہیں اس وقت کے لوگ چھوڑ چکے تھے، ایک یہ کہ ہندوستان والوں کے لئے حج کو زندہ کیا تھا اور ایک عملی طور پر جہاد کو زندہ کیا۔ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ عملی لحاظ سے مجدد تھے، اگرچہ انہوں نے علم حاصل نہیں کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ کام لے لیا۔

مکتوب نمبر 250 میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

متن:

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ آیا زادِ راہ اور سواری ہونے کے باوجود اس پُر فتن زمانے میں مکہ مکرمہ کا سفر فرض ہے یا نہیں۔ میرے مخدوم! اس بارے میں فقہ کی روایات میں بہت اختلاف ہے اور فقیہ ابو اللّیث کا فتویٰ اس مسئلہ میں مختار ہے، انہوں نے کہا ہے کہ "اگر راستہ میں امن اور عدمِ ہلاکت کا گمان غالب ہے تو اس سفر کی فرضیت ثابت ہے ورنہ نہیں"۔ لیکن وجوبِ ادا کی شرط ہے نفسِ وجوب کی شرط نہیں، یہی صحیح ہے لہٰذا ایسی صورت میں حج کی وصیت واجب ہو گی۔

تشریح:

یعنی اس بات کی وصیت کر دی جائے کہ اگر حالات بہتر ہو جائیں تو میری طرف سے حج کیا جائے۔

متن:

چونکہ وقت نے موافقت نہیں کی اس لئے آپ کے دوسرے سوالات کو کسی دوسرے مکتوب پر موقوف کر دیا۔ والسلام

تشریح:

حضرت نے اعمال میں فرائض، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کے بارے میں اپنے مکتوبات شریف میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ لیکن اس میں یہ اہم بات ہے کہ چونکہ یہ فقہی باتیں ہیں اور فقہی باتیں ہمیشہ حالات پر منحصر ہوتی ہیں، ایسے مسائل میں وقتی مجدد کا فیصلہ بہت اہم ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ کی باتیں تو اس میں آ گئیں، لیکن آج کے دور کا مجدد جب اس کے بارے میں بات کرے گا تو وہ آج کے لحاظ سے بتائے گا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان اعمال پہ بات کی ہے۔ حضرت نے ماشاءاللہ مواعظ کا ایک سلسلہ اس کے لئے مختص کیا تھا، اس کو روح کہتے تھے۔ روح الصلوۃ، روح الصیام، روح الزکوۃ، روح الحج پھر روح الارواح۔ یہ سب مواعظ میں نے زمانۂ طالب علمی میں پڑھے تھے۔ الحمدللہ!

ہمارے لئے آج کل کے دور کے لحاظ سے ان کا پڑھنا بہت ضروری ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁

مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ ۞

اَمَّا بَعْدُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا زہد اور عشق

متن:

"إِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ وَتَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ" "جب فقر درجۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے، تو یہی خدا کا مقام ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق اختیار کرو" عاشق کا اس سے بلند تر مقام اور کوئی نہیں۔ یا اللہ کریم! ہمارا یہی مقصود ہمیں نصیب فرما۔

اے عزیز بھائی! حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو احسن القصص (بہترین قصہ) کہا گیا ہے، اس کا سبب بس یہی ہے کہ ﴿**وَ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ**﴾ (المائدۃ:54) کی نشانی اپنے میں رکھتا ہے۔ اے بھائی! ﴿**يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ**﴾ (المائدۃ:54) کی خبر تجھے اُس وقت ہو جائے گی کہ تجھے اس آیت مبارک کے معنیٰ نظر میں جلوہ افروزی کریں: ﴿**وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ**

﴿إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ۔۔۔﴾ (الشوری:51)۔

ترجمہ: "اور یہ کسی بشر کا مرتبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی سے کلام کرے، مگر ہاں یا تو وحی سے یا کسی آڑ پردے سے یا کسی قاصد فرشتے کو بھیج دے، سو وہ وحی پہنچائے اللہ کے حکم سے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے"

اور لفظ طٰہٰ میں سب کچھ تو مشاہدہ کرے گا اور سمجھ جائے گا کہ ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدۃ:54) کیا ہے۔ کیونکہ اے بھائی! شہد، شہد کہنا، یا گڑ، شکر وظیفہ کرنا اور بات ہے اور اس کا دیکھنا دوسری بات ہے اور چکھنا دوسری بات ہے۔ یعنی لیلیٰ ہونا دوسری بات ہے اور لیلیٰ کا نام جپنا دوسری بات ہے اور جب مجنون خود عالَم استغراق میں ہو تو وہ خود کو لیلیٰ دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں لیلیٰ ہوں اور لیلیٰ مجھ میں ہے۔ بیت:

عشق و عاشق محو گردد زیں مقام

چوں ہماں معشوق ماند والسلام

"اس مقام میں عشق اور عاشق سب محو ہو جاتے ہیں اور معشوق رہ جاتا ہے"

اور بس اے بھائی! ﴿يُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدۃ:54) کے خلوت خانے میں یہ سب ہم سر برابر اور ہم مشاہدہ ہیں۔ ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدۃ:54) ایک دوسرے کے سودا میں نہیں

ہوتے بلکہ ہم سر و ہم مشاہدہ ہوتے، اور کہتے ہیں کہ "لَا يَطَّلِعُ عَلَيْنَا مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ"۔ "ہماری حالت کی مقرب فرشتے اور پیغمبر تک کو اطلاع اور آگاہی نہیں ہوتی"۔

ہمارے حضرت صاحب یعنی شیخ رحمکار رحمۃ اللہ علیہ اخلاقِ حمیدہ، بلند ہمتی، صداقت، مقاماتِ انفاس اور زبانِ حال کے لحاظ سے "مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا"۔ "موت سے پہلے مر جاؤ" کے مقامِ عالی تک پہنچے تھے، اور اس مقام کی فرحتوں سے لطف اندوز ہو گئے تھے اور اس کے آثار و اسرار آپ کی روح پر ظاہر ہو گئے تھے۔ یہ ایک ایسا راستہ ہے کہ اس میں خود کو ہلاک کیے بغیر منزل تک رسائی حاصل نہیں ہوتی۔ جناب علی محمد عطاء صاحب جو کہ طریقت کے راستے کے عطار تھے، فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے ایک درویش صاحب کو دیکھا جو کہ قسم قسم مصائب و آفات میں مبتلا تھا، جب میں نے اسے اس حال میں دیکھا، تو میرا دل اُس کی حالت پر سوزش کرنے لگا، درویش نے مجھے دیکھ کر مجھے زور سے کہا کہ "يَا مُكَلَّفُ مَا دُخُوْلُكَ فِيْ مَا بَيْنِيْ وَ بَيْنَ رَبِّيْ دَعْهُ يَعْمَلْ مَا يَشَاءُ" "اے ہوشیار اور مکلف شخص! تمہیں میرے اور میرے رب کے معاملات میں دخل اندازی کی کوئی ضرورت نہیں، یہ بات چھوڑیے، وہ جو چاہے اور جو کچھ اس کی مرضی ہو وہ کرتا رہے" مجھے یہ کہہ کر اس نے کہنا شروع کیا: "إِلٰهِيْ بِعِزَّتِكَ وَ جَلَالِكَ لَوْ قَطَعْتَنِيْ إِرْبًا أَوْ صَبَبْتَ عَلَيَّ مِنَ الْبَلَاءِ صَبًّا مَا ازْدَدْتُّ لَكَ إِلَّا شَوْقًا وَّ حُبًّا" "اے میرے رب مجھے آپ کی عزت و جلال کی قسم ہے! اگر آپ مجھ پر مصیبتوں کا پہاڑ توڑ ڈالیں اور میری ہر حاجت منقطع کر ڈالیں، تو ایسے حال میں بھی میری محبت اور میرا شوق بڑھتا جائے گا"

فرماتے ہیں کہ اس کی سلطنت میں آگ کے آداب ہیں یعنی آگ بھی اس کے حکم کے ماتحت ہے۔ وہ معاملہ جو کہ ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان گزر چکا اور جس کا بڑا حصّہ لوگوں کو بتلا دیا، وہ کیا تھا؟ "**لِيَعْلَمُوْا أَنَّ كُلَّ مَنْ أَحَبَّهُ لَا يَضُرُّهُ شَيْءٌ فِي الدَّارَيْنِ وَ لِيَعْلَمُوْا أَنَّ أَهْلَ الْمَعْرِفَةِ فِي النَّارِ أَطْيَبُ عَيْشًا وَّأَحْسَنُ حَالًا وَّأَشَدُّ سُرُوْرًا مِّنْ عَ اللهِ تَعَالٰى مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِي الْجَنَّةِ**" وہ صرف یہ بات تھی کہ لوگ جان لیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں، دونوں جہانوں میں کوئی چیز بھی اسے ضرر نہیں پہنچاتی، اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ اہل معرفت کے لیے آگ میں بہت اعلیٰ قسم کی زندگی ہے، اور بہتر حالت ہوتی ہے اور اہل جنت کو جنت میں جتنی خوشی ہوتی ہے، اہل معرفت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معیت میں اُس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے"۔ سلطان العارفین فرماتے ہیں کہ اگر قیامت کے دن اہل جنت سے ملاقات کا مزہ منقطع کیا جائے تو اہل بہشت بھی ویسی ہی فریاد کریں گے جیسا کہ دوزخ کے لوگ دوزخ میں کرتے ہیں۔

تشریح:

جلدی نہیں مچانی چاہئے:

اصل میں اس کلام کو سمجھنے کے لیے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے۔ جلدی نہیں مچانی چاہئے۔ حوصلے کا مطلب یہ ہے کہ اگر جلدی مچالی تو محروم ہو جائیں گے اور نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ بزرگوں کے کلام میں کافی گہرائی ہوتی ہے۔ اس میں کافی غور و خوض کر کے اس سے کچھ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ وہ اپنے حال میں مست ہو کر گفتگو کر رہے ہوتے ہیں۔ جب تک وہ حال

حاصل نہ ہو ان کی بات کو سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ لیکن اگر تحمل کیا جائے تو بات (کی تہہ) تک پہنچنا بعض دفعہ ممکن ہو جاتا ہے نیز بعض دفعہ ان کی بعض باتیں بعد میں آنے والے بزرگوں کے لئے رُموز کی صورت میں ہوتی ہیں جن کو وہی حاصل کر سکتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں بھی اس قسم کی باتیں کافی ملتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی پہچان:

اصل میں اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو پیدا کیا تاکہ اس کے ذریعے اللہ کو جان لیا جائے اور پہچان لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات:56)

ترجمہ: "اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں"۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے **"لِيَعْبُدُوْنِ"** کی تفسیر **"لِيَعْرِفُوْنِ"** سے کی ہے۔ (جن و انس کو صرف اپنی معرفت کے لئے پیدا کرنا) یہ مشیتِ الٰہی ہے۔ اس مشیتِ الٰہی کے مطابق مخلوق کے جو افراد اللہ تعالیٰ کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں یعنی معرفتِ الٰہی تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی جماعت سب سے اچھی جماعت ہے۔ کیونکہ یہ جماعت منشاءِ الٰہی کے مطابق کام کر رہی ہے۔ اس منشا الٰہی کے مطابق عمل کرنے (عبدیت) میں اور اللہ کی پہچان (معرفت) میں جو چیز رکاوٹ ہے وہ ہمارا نفس اور دل کی گندگی ہے۔ جب تک نفس نفسِ امارہ ہے اور دل میں دنیا کی محبت ہے، اُس وقت تک ہم اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچان سکتے، اس کی وجہ یہ

ہے کہ نفس کا زور ہے اور دنیا کی محبت کا اثر کافی زیادہ ہوتا ہے جسکی وجہ سے معرفت کے رستے آلودہ ہو جاتے ہیں۔ آنکھ بھی آلودہ، کان بھی آلودہ، دل بھی آلودہ اور ذہن بھی آلودہ ہو جاتا ہے۔ یعنی اُس کی آنکھیں کام نہیں کریں گی، شنوائی متاثر ہو گی، دماغ سوچ نہیں سکے گا، دل صحیح بات اخذ نہیں کرے گا، جیسا کہ قرآن پاک میں اس کے بارے میں فرمایا۔

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ (الأعراف:128)

ترجمہ: ”ان کے پاس دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں“۔

اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں جن مقاصد کے لیے دی ہیں، وہ مقاصد اس سے پورے نہیں ہوں گے۔ ہمارے نفس کی اس آلودگی اور دل کی گندگی کی وجہ سے ہم لوگ صحیح بات تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

اس پر قابو کیسے پائیں اور رکاوٹوں کو کیسے دور کیا جائے؟

اللہ تعالیٰ کی پہچان میں جو رکاوٹیں ہیں انہیں دور کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ اور کوئی رستہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ یہ کیسے دور ہوں گی۔ اِس کے لیے دو (2) رستے ہیں۔ ایک راستہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق اور محبت کا ہے جو دنیا کی محبت کا توڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عشق و محبت اتنا بڑھ جائے کہ دل دنیا کی محبت سے پاک ہو جائے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ نفس کو زُہد کے ذریعے قابو کیا جائے۔ لیکن اُس کے کچھ اضافی (مضر) اثرات کو برداشت کرنا پڑے گا۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نے ان دونوں طریقوں (زہد اور عشق) کو ملایا ہے۔ کیونکہ نفس کی قوت کو توڑنے کے لیے زہد ہے، جو مجاہدات سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور عشق کے ذریعہ دل دنیا کی محبت سے پاک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور عشق کے حاصل کرنے کے جو ذرائع ہیں، ان کو اختیار کر کے اللہ کی محبت اور عشق کو حاصل کیا جائے گا۔ ان دونوں چیزوں کا مشترکہ نام فقر ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی اپنی خواہش فنا ہو جائے اور اُس کی بھی وہی خواہش ہو جائے جو اللہ کی خواہش ہے۔

فقر کیا ہے؟

جب تک اپنے نفس کی خواہش زندہ ہے انسان فقیر نہیں ہو سکتا۔ اپنے آپ کو فقیر کہہ تو سکتا ہے مگر حقیقتاً فقیر ہو نہیں سکتا۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ﴾ (القصص:23)

ترجمہ: ”میرے پروردگار! جو کوئی بہتری تو مجھ پر اوپر سے نازل کر دے، میں اس کا فقیر ہوں“۔

اس دعا میں دونوں چیزیں شامل ہیں، محبت کا جذبہ بھی ہے، اور اپنے نفس پر پیر رکھنا بھی ہے۔ ان دونوں کو جمع کرنے سے فقر حاصل ہوتا ہے۔ جب انسان فقر کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جائے، تو پھر اخلاقِ حمیدہ کی صفات کو حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے لوث ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کی حاجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلے ان تمام چیزوں سے آزاد ہیں۔ وہ اپنے ارادے سے کام کرتا ہے۔ اس میں کوئی اور چیز شامل نہیں ہے۔ جب انسان بھی اس کیفیت کو حاصل کر لے کہ اُس کی اپنی خواہش ختم ہو جائے، اور اُس کی خواہش وہ ہو جائے جو اللہ کی خواہش

ہے۔ تو بات ایک ہو جائے گی، یہی بات حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے ہارون رشید سے کی تھی۔ جب ہارون رشید نے ان سے پوچھا کیا حال ہے؟ کہا: اُس شخص کی کیا بات کرتے ہو جس کی مرضی کے مطابق سب کچھ ہوتا ہے۔ ہارون رشید نے کہا کہ خدائی کا دعویٰ کب سے کیا ہے؟ یہاں ہارون رشید نے جلدی مچائی اور اُن کی بات کا وہ مطلب لیا جو اُن کے نزدیک نہیں تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے تو خدائی کا دعویٰ ہر گز نہیں کیا۔ ہارون رشید نے کہا: جو بات آپ نے کی ہے اس کا مطلب یہی ہے کیونکہ صرف اللہ کی مرضی کے مطابق ہی سب کچھ ہو سکتا ہے۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، میں نے اپنی خواہش کو اللہ کی خواہش میں فنا کر دیا ہے۔ اب میری خواہش وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہے لہٰذا سب کچھ میری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔ ہارون رشید کی سمجھ میں بات آ گئی کہ واقعی یہ صحیح کہہ رہے ہیں۔

اللہ والا بننا:

ایسی صورت میں جو اللہ کے ہو جاتے ہیں، اللہ اُن کے ہو جاتے ہیں۔ **"مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ"**۔ جس کے نتیجے میں یہ انسان عام انسان نہیں رہتا بلکہ اللہ والا ہو جاتا ہے اور اللہ کا ولی کہلاتا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

"مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ"

ترجمہ: "جس نے میرے ولی کو تکلیف دی اس کے ساتھ میرا اعلان جنگ ہے"۔

ایسے شخص (اللہ کے ولی) کے اندر دو چیزیں ہر وقت پائی جاتی ہیں۔ ایک: اللہ تعالیٰ کے لیے اپنا سب کچھ پیش کرنا۔ دوسرا: اُس کے ساتھ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا ہونا۔ یہ دونوں

چیزیں ساتھ ساتھ ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے ارادے کے مطابق اُس کو جو مقامات نصیب فرما دیتے ہیں اُسی قسم کے حالات بناتے ہیں۔ اُن حالات پر وہ دل سے راضی ہوتا ہے اور اس طریقے سے آگے بڑھ رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی اللہ کا محبوب ہوتا ہے لہٰذا اللہ کا محبوب ہونے کی وجہ سے، وہ جو عارضی چیزیں ہیں، اللہ تعالیٰ اگرچہ اُس کو بہت وافر دے سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اُس کے لیے وہ چیزیں پسند کرتا ہے جو اُس کے لیے سب سے زیادہ مفید ہوتی ہیں۔ دوسری طرف، وہ اللہ کا ولی بھی اُس پر دل سے راضی ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ فلاں کے ساتھ یہ ہو رہا ہے میرے ساتھ ایسا کیوں نہیں ہو رہا؟ کیونکہ وہ تمام خواہشات کو ختم کر چکا ہوتا ہے۔ اُس کے پاس کچھ باقی رہتا ہی نہیں۔ لہٰذا وہ عین اللہ کی مرضی اور منشاء کے مطابق زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو یہاں فرمائی کہ **"يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ"** یعنی اللہ اُن کے ساتھ محبت کرتا ہے اور وہ اللہ کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ جانبین ایک دوسرے کے محبوب ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ یہ الگ بات ہے کہ اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ ہے۔ لہٰذا اللہ اللہ ہونے کے لحاظ سے وہ ایسا نہیں کر سکتا جیسا کہ انسان انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جنس کا اختلاف نہیں ہے بلکہ خالق اور مخلوق کا فرق ہے۔ لہٰذا محبت کی وجہ سے اُس میں فنائیت پائی جاتی ہے لیکن معرفت کی وجہ سے اُس میں تنزیہہ پائی جاتی ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ لہٰذا فنائیت کی وجہ سے وہ اگرچہ اپنا سب کچھ لٹاتا ہے، لیکن معرفت کی وجہ سے اللہ کے سامنے دم نہیں مار سکتا اور نیاز کی کیفیت میں رہتا ہے۔ یہ سب معرفت کی وجہ سے ہے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود:

یہی وہ چیز ہے جس کو حضرت مجدد الف ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شہود کہا ہے۔ وحدتُ الشہود کا مطلب یہ ہے کہ یہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتنی محبت کرتا ہے کہ اُس کے لیے اپنی تمام خواہشات کو فنا کر دیتا ہے۔ سب کچھ قربان کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کی اپنی مرضی کچھ بھی نہیں رہتی۔ وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس پر حکمتوں کو کھول دیتے ہیں جس سے معرفت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ جتنا جتنا وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے آپ کو ختم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو اپنے ساتھ اتنی اتنی بقا عطا کر دیتے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر اس کو اللہ تعالیٰ کی جو معرفت ملتی ہے، اُس معرفت کی وجہ سے اُس کو تنزیہہ حاصل ہوتی ہے۔

معرفت کا مطلب کیا ہے؟

اس کو جاننے کے لئے یہ سمجھا جائے کہ مخلوق مخلوق ہے اور اللہ اللہ ہے۔ دونوں ایک نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ ایک جنس کا دوسری جنس کے ساتھ رابطہ ہوتا ہے وہ تو یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں پر انسان محبت کے لحاظ سے اپنے رب کے انتہائی قریب بھی ہوتا ہے اور معرفت کے لحاظ سے انتہائی دور بھی ہوتا ہے۔ محبت کے لحاظ سے قریب ہوتا ہے۔ تنزیہہ کے لحاظ سے بہت دور ہوتا ہے۔ یہی وہ وحدتُ الشہود ہے جس کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ گفتگو فرما رہے ہیں۔ وحدتُ الوجود میں محبت غالب ہوتی ہے لیکن معرفت نہیں آئی ہوتی ہے یعنی علم نہیں آیا ہوتا۔ یہ حالت حالتِ سُکر کہلاتی ہے۔ اِس پُل سے گزرنا تو پڑتا ہے۔ لیکن جب سالک گزر جاتا ہے تو پھر اسے ادراک ہوتا ہے کہ میں کون ہوں۔ اُس پر اپنی بندگی کھلتی ہے کہ میں بندہ ہوں اور اللہ، اللہ ہے۔

مقامِ حیرت:

جب اللہ کی صفات سالک پر کھلتی ہیں تو اسے اللہ کی ذات کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مقامِ حیرت میں چلا جاتا ہے۔ کیونکہ دُوری اور قرب کو اکٹھا کرنا ممکن نہیں ہے۔ جتنی دُوری بڑھے گی اور جتنا قرب ملے گا، اتنا ہی مقامِ حیرت بڑھے گا۔ یہی مقامِ حیرت ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اسی کے بارے میں حضرت نے کلام فرمایا ہے۔ اگر ہم یہاں جلدی کرتے تو ہم اس کلام سے کوئی نتیجہ نہ نکال سکتے۔ یہ ساری چیزیں ہیں لیکن اصل میں ہیں۔ ان کا ادراک قلب کرتا ہے۔ ذہن نہیں کر سکتا۔ ذہن محدود ہے۔ قلب لامحدود ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کُل کائنات میں اللہ تعالیٰ نہیں سماتے لیکن مومن کے دل میں سما جاتے ہیں کیوں کہ یہ آنا اس طرح نہیں ہے جس طرح ہم انسان کسی چیز کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ آگئی، یہ ایسا نہیں ہے۔ یہ آنا اور چیز ہے۔ اور وہ آنا تنزیہہ کے ساتھ ہے۔ اس وجہ سے دونوں چیزوں کو اکھٹا کرنا پڑتا ہے۔ اس مقام کو مقامِ حیرت کہتے ہیں۔

الفاظ اور ہیں اور حقیقت اور:

حضرت نے یہ جو فرمایا ہے کہ "شہد شہد" کہنا یا "گڑ گڑ" کہنا اور ہے اور ان کا چکھنا اور ہے۔ جب تک کسی کو شکر حاصل ہو نہیں جاتی وہ اس کو کیسے محسوس کر سکتا ہے؟ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کیفیت الفاظ میں نہیں سموئی جاسکتی، اگر کسی نے گڑ کھایا ہے اور شہد بھی کھایا ہے تو اُسے کسی لفظ کے بغیر ہی گڑ اور شہد کے درمیان فرق معلوم ہو جائے گا۔ وہ بعد میں یہ کہہ سکے گا کہ یہ گڑ ہے اور یہ شہد ہے، چاہے اُس کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔ اور اگر کسی نے گڑ اور شہد کھایا ہی نہیں تو چاہے اُس پر کتابیں لکھ دیں یا لائبریری بھر دیں کہ گڑ کی یہ صفات ہیں اور شہد کی یہ صفات ہیں، وہ پھر بھی اُس میں فرق نہیں کر سکے گا۔ جب تک یہ کیفیت کسی کو حاصل نہ ہو اس کے لئے

الفاظ میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ جن کے اوپر یہ (مقامِ حیرت) کی حالت گزر رہی ہوتی ہے۔ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ مقامِ حیرت کیا چیز ہے۔ جو اُس کی تنزیہہ کی حالت، اور جو اُس کی کیفیت ہے، اور جو محبت کی حالت ہے، محبت کی وجہ سے جو قرب ہے، اور معرفت کی وجہ سے جو دوری ہے، اسے الفاظ میں جمع کرنا ناممکن ہے۔ آپ الفاظ میں اس کو بیان ہی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس بات کے سمجھ نہ آسکنے کی وجہ الفاظ کی تنگ دامنی ہے اور کچھ نہیں ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ میں جتنا کہہ سکتا تھا وہ میں نے کہا، لیکن الفاظ کی تنگ دامنی کی وجہ سے میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے صحیح کہا ہے۔ پھر استغفار بھی کرتے ہیں۔ یہ استغفار حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مکتوبات میں کیا ہے۔ یہ کیفیات اس راہ کے راہروؤں پر گزرتی ہیں۔ ان کیفیات کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ میں نے کیفیات کو الفاظ میں بیان کر دیا۔ یہ غلط ہے کیونکہ ایسا کرنا ناممکن ہے۔ البتہ آپ اشاروں سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تھوڑا تھوڑا قریب پہنچ سکتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اس حالت کو حاصل بھی کر سکتے ہیں۔

"مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا"۔ "مرجاؤ قبل اس کے کہ تم مرجاؤ":

اصل میں یہ وہی نفس کو ہلاک کرنے والی بات ہے۔ نفس کو مارنے کا مطلب یہ نہیں کہ تم اسے ذبح کر دو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس پر قابو پالو۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ تم اللہ کی ایسے عبادت کرو جیسا کہ تم اُس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر اس طرح نہیں کر سکتے تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔ یہ بھی ایک کیفیت ہے۔ اس کو کیفیتِ احسان کہتے ہیں۔ جس کو یہ حاصل ہے وہ اسے جانتا ہے اور

جس کو حاصل نہیں ہے اُس کو سمجھایا نہیں جا سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری کی کیفیت ہے، وہ آپ نے اس کے ذریعے سے حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں مانع چیز نفس ہے۔ اگر کسی نے اِس پر قابو پا لیا تو وہ اس کے اور اللہ کے درمیان حائل نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے اِس کی کیفیت، کہ "مر جاؤ قبل اس کے کہ تم مر جاؤ۔"

اصلاحِ نفس کی اہمیت:

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا تھا۔ خواب میں اللہ پاک کا دیدار ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اے اللہ تجھ تک پہنچنے کا آسان ترین راستہ کون سا ہے؟ فرمایا: **"دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ"** (اپنے نفس کو چھوڑ دے اور آجا)۔

دیکھیں انسان جہاز یا راکٹ میں، فضا میں ہوتا ہے تو جب تک انسان زمین کی کشش سے آزاد نہیں ہو گا، تب تک اسے چلنے کے لیے مسلسل قوت چاہیے ہو گی، لیکن جس وقت وہ زمین کی کشش سے آزاد ہو گیا اور خلا میں پہنچ گیا تو پھر جو چل رہا ہے وہ چلتا رہے گا اور جو کھڑا ہے وہ کھڑا رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ پھر اسے کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی۔ اسی طرح اللہ کی محبت آپ کو اللہ کے قریب کر رہی ہے اور نفس اللہ سے دور کر رہا ہے، آپ ان دونوں کے درمیان لگے رہیں گے۔ یہ سلسلہ مسلسل چل رہا ہوتا ہے۔ جس وقت نفس کو ختم کر دو، یعنی نفس کی رکاوٹوں کو ختم کر دو اُس وقت تھوڑی سی روحانیت بھی آپ کو اللہ کی طرف لے جائے گی، کیونکہ سمت تو وہی ہو گی۔ اور جب تک آپ نفس کو ختم نہیں کر سکے، اُس وقت تک یہ مسلسل مانع ہے۔ یہی نفس کی اصلاح کی اصل بنیاد ہے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گزشتہ تمام سلاسل سب سے پہلے نفس کے

مانع کو ختم کرتے تھے، محنت کرتے تھے اور مجاہدات کے ذریعے سے نفس کو کالعدم کر دیتے تھے۔ جب نفس کالعدم ہو جاتا، پھر تھوڑا سا ذکر کرتے تو واصل ہو جاتے۔ کیونکہ رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ بعد میں مسئلہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اپنے آپ کو نفس کے مجاہدات کے لیے تیار نہیں کیا۔ کیونکہ مجاہدات کے لیے اپنے آپ کو نفس کے خلاف کرنا پڑتا ہے۔ جب تک نفس تیار ہی نہیں تو اصلاح کیسے ہو؟ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کام بہ امر مجبوری کیا تھا۔ لوگ مجاہدات کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے تو انہوں نے یہ کیا کہ پہلے جذب حاصل کر لو۔ جذب حاصل کر لو گے تو نفس مجاہدے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ اس لیے انہوں نے جذب کو مقدم کر دیا اور مجاہدے کو بعد میں کر دیا۔ یہ نہیں کہ بالکل مجاہدہ ہی ختم کر دیا بلکہ ترتیب بدل دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب تک کشش موجود ہے، بے شک آپ کو کتنی ہی روحانیت حاصل ہو، آپ آگے نہیں جاسکتے، آپ کی گاڑی نہیں چلے گی، ہاں شور بہت ہو گا۔ جیسے کھڈے میں کوئی گاڑی پھنس جائے تو آواز تو بہت ہو گی لیکن وہ چل نہیں رہی ہو گی۔ لہٰذا پہلے جذب کا حصول پھر نفس کے خلاف مجاہدہ اور پھر اُس کے بعد سلوک کی منازل کو طے کرنا ہے۔ یہ لازم و ملزوم تھا۔ اگر آپ نفس کے خلاف مجاہدہ نہیں کریں گے یا اس کی تربیت نہیں کریں گے تو وہ آپ کے افکار پر اثر ڈالے گا، آپ کی سوچ پر اثر ڈالے گا۔ اثر ڈالتے ڈالتے یہاں تک ہوا کہ لوگوں کی نظر میں مجاہدے کی اہمیت ختم کر دی۔ اس کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ سارا زور اللہ پاک کے ذکر اور مراقبات کے ذریعے روحانیت کو حاصل کرنے میں لگا دیا۔

اس (ذکر و مراقبات) میں مزہ بہت ہے۔ اگر انسان صرف مزے کا عاشق ہو جائے تو اصل چیز حاصل نہیں ہو گی۔ تکلیف ہی تو شریعت ہے۔ کیونکہ انسان مکلف ہے۔ کس چیز کا مکلف ہے؟

"تکلیف" کا مکلف ہے۔ تکلیف کیا چیز ہے؟ تکلیف یہی شریعت ہے۔ اگر آپ اپنے آپ کو تکلیف سے بچانا چاہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ اپنے آپ کو شریعت سے بچانا چاہتے ہیں۔ اس لیے نفس کی اصلاح کے لیے جو تکلیف مجاہدہ کی صورت میں اٹھانی پڑتی ہے، وہ لازم ہے اُس کے بغیر کوئی حل نہیں۔ اگر آپ یہ نہیں کرتے تو پھر بھی تکلیف رہے گی، اور وہ تکلیف مستقل رہے گی۔ وہ ایسے مستقل رہے گی کہ آپ نے روحانیت کی طرف تو چلنا ہی ہے۔ صبح آپ نے نماز کے لیے ہر صورت اُٹھنا ہے چاہے آپ مریں چاہے جئیں۔ کام تو ہر صورت میں کرنا ہے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجھ سے تو اُٹھا نہیں جاتا۔ یہ بات نہیں چلے گی۔ اُٹھنا تو پڑے گا، نماز تو پڑھنی پڑے گی۔ اسی طرح زکوۃ تو دینی پڑے گی، حج تو کرنا پڑے گا۔ شریعت کے تمام اعمال پر عمل کرنا پڑے گا۔ معاشرت درست کرنی پڑے گی۔ اس وجہ سے، اگر آپ یہ مجاہدہ نہیں کرتے تو عمر بھر تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ شریعت تکلیف تو ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ وہ مجاہدہ مستقل ہو جائے گا۔ لیکن جب آپ تصوف کے ذریعے نفس کی اصلاح کر لیں گے، نفس کی تربیت کر لیں گے تو پھر مستقل تکلیف نہیں رہے گی، پھر آپ کا نفس ماننا شروع کر دے گا۔ لیکن وہ ماننا اس طرح نہیں ہو گا کہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ محنت تو پھر بھی کرنی پڑے گی لیکن وہ محنت اس طرح ہو گی کہ آپ کا نفس اُس کام کے لئے تیار ہو گا (اس کام میں رکاوٹیں نہیں ڈالے گا)۔ جب گھوڑے کو سدھا لیا جاتا ہے تو سدھانے کے بعد اُس کے اوپر کوئی وزن رکھ دیا جائے تب بھی اس کو وزن محسوس ہوتا ہے، لیکن پھر بھی وہ اُس کے لیے تیار ہوتا ہے۔ لیکن اگر تربیت نہیں کی ہو گی تو پھر وہ اَڑی کرے گا اور وزن نہیں اٹھائے گا۔ در اصل مجاہدے کی تکلیف کے ذریعے نفس کی اَڑی کو دور کیا جاتا ہے۔

اگر یہ تکلیف نہیں اٹھائیں گے تو اِس اَڑی کو مستقل برداشت کریں گے اور اگر مجاہدے کی تکلیف اٹھالیں گے تو نفس کی اڑی کے بغیر کام آسانی سے چلتا رہے گا۔ یہ بات سمجھنا ضروری ہے۔

خیر! جب مجاہدات کو ختم کیا گیا تو دو قسم کے لوگ ہو گئے۔ ایک وہ جو مخلص تھے انہوں نے شریعت کے اعمال کرنے میں نفس کی طرف سے ہر وقت کی اَڑی کو برداشت کر لیا۔ ان کا کام تو ہو رہا ہے لیکن مشکل سے ہو رہا ہے۔ اگر یہ حضرات مجاہدہ کرتے تو سیدھے طریقے سے کام کرنے کے لیے تیار ہو جاتے۔ ان دونوں میں سے پہلی قسم کے لوگ زیادہ مشکل میں ہیں۔

نقشبندی سلسلے کے جن حضرات نے مجاہدات سے اپنے آپ کو بری کیا انہوں نے اپنے آپ کو مستقل مشکل میں ڈال دیا، لیکن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اِس کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ جس نے جذب تو حاصل کیا لیکن سلوک طے نہیں کیا وہ مجذوب متمکن ہے منتہی مرجوع نہیں، نہ خود پہنچا ہے اور نہ دوسروں کو پہنچا سکتا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ نفس کے اوپر کوئی اعتبار نہیں ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اب اس پر اعتبار کر سکتے ہیں، لیکن کسی بھی وقت یہ نقصان پہنچائے گا بالخصوص جب اس کا تعلق نظریات کے ساتھ ہو، احساسات کے ساتھ ہو، تب تو ضرور نقصان پہنچائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ چیزیں باریک ہوتی ہیں۔ ان کے اندر فرق کرنا مشکل ہوتا ہے آسان نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں معاملہ بہت خراب ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہاں پر نمازیں تو پڑھیں گے۔ روزے تو رکھیں گے، زکوۃ دیں گے، حج تو کریں گے لیکن کسی جگہ ایسا معاملہ ہو جائے گا کہ گڑبڑ ہو جائے گی۔ اِشرافِ نفس کی مثال لے لیں۔ اس سے بچنا فرض ہے۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ یہ قلبی نہیں بلکہ ذہنی چیز ہے تو وہ اس میں پھنس سکتا ہے۔ مثلاً کسی کو خیال ہوا کہ فلاں مجھے کچھ دے گا۔ اُس کا دل اِس میں مشغول ہوا اور اس شخص کے ساتھ معاملہ بھی اس طرح

کیا تو یہ اِشرافِ نفس ہے جو حرام ہے۔ گویا کہ یہ صرف ذہنی خدشہ نہیں رہا بلکہ اس کے تقاضے پر عمل ہو گیا۔ جب اس کے تقاضے پر عمل ہو گیا تو نقصان ہو گیا۔ دیکھئے آپ تو سمجھ رہے تھے کہ میں اپنے مراقبات وغیرہ کے لحاظ سے کامل ہو گیا۔ لیکن در اصل ہوا یہ کہ نفس نے آپ کو اپنے جال میں پھنسا دیا۔

اسی طرح وہ لوگ جو خواتین سے ملنے میں احتیاط نہیں کرتے۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ اس کی نظر پاک ہو گئی۔ یہ اس کی ایک ذہنی کیفیت ہے۔ لیکن در حقیقت یہ شخص کسی صحابی سے بڑا تو نہیں ہے۔ اگر صحابی کا رخ نبی کریم ﷺ پھیر سکتے ہیں کہ خاتون کو نہ دیکھو۔ تو آج کل کے اپنے مزعومہ بزرگ کے لئے یہ بات کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ یہ کھری کھری باتیں مجبوراً کرنی پڑ رہی ہیں۔ انسان اس قسم کی چیزوں میں پھنس سکتا ہے۔ نمازیں پڑھے گا، روزے رکھے گا، زکوۃ دے گا، حج کرے گا، الغرض سب کچھ کرے گا لیکن یہاں آکر پھنس جائے گا۔ یہ قلبی اور ذہنی چیزیں ہیں آخرت کے متعلق۔ اور اس کی وجہ سے نقصان ہوتا جائے گا۔

سچا فقر:

مخلوق سے استغنا فقر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ تبھی تو حضرت حلیم گل بابا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فقر بصورتِ استغنا تھا۔ یعنی مخلوق سے استغنا اور خالق کے ساتھ محتاجی۔ اس فقر کو حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ عشق کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور زہد کا تعلق نفس کے ساتھ ہے۔ جب تک نفس پر قابو نہیں ہے تو زہد کہاں؟ اور زہد نہیں ہے تو بے لوثی کہاں؟ اور دل کا تعلق اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں تو للّٰہیت کہاں؟ اور اس کی غیر موجودگی میں روحانیت کہاں؟ اسی زہد اور عشقِ الٰہی کے اجتماع سے فقر بنتا ہے جس میں انسان

صرف اللہ کا ہوتا ہے۔ اور مخلوق سے اس کا تعلق بس اتنا ہوتا ہے کہ ان کے حقوق ادا کرے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے بس بچیوں کو پانی دلوا کر یعنی ان کا حق ادا کر کے ان سے کچھ طلب نہیں کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف مدد کے لئے متوجہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ جن کی اللہ تعالیٰ کے لئے مدد کی اور ان سے کوئی جزا طلب نہیں کی تھی، انہی کے دل میں اللہ تعالیٰ نے بات ڈالی، ان کو بلایا اور اس طرح دیارِ غیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے نہ صرف ٹھکانے کا، بلکہ شرفاء کے گھر بسانے کا بندوبست بھی کر لیا۔ فقیروں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی سچا فقر نصیب فرمائے۔

صحیح درویشی:

جیسے فقر کا صرف نام استعمال ہوتا ہے۔ سچا فقر کسی کسی کا ہوتا ہے۔ اسی طرح سچی درویشی بھی کہیں کہیں پائی جاتی ہے۔ زیادہ تر اس کا صرف نام ہی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت حلیم گل بابا رحمۃ اللہ علیہ نے جس درویش کی طرف اشارہ کیا کہ وہ مصائب میں مبتلا تھے لیکن اس سے نکلنے کے متمنی نہیں تھے بلکہ جو ان کے لئے فکر کر رہا تھا اس پر ناراض ہو رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہی مصائب اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ تھے۔ اس درویش کو اس کی معرفت حاصل تھی۔ یہ بات تو اس درویش کی طرف سے تھی کہ اس نے ظاہری تکلیف کو اپنے گلے کا ہار بنایا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگوں کو کیا ملتا ہے اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حوالہ دیا کہ وہ خلیل اللہ بن گئے۔ اللہ کا بے انتہا قرب ان کو حاصل ہوا۔ اس کے مقابلے میں دوسری نعمتوں کی بھلا کیا حیثیت ہے!۔ پس جن کی اس قرب پر نظر ہوتی ہے وہ جذب کی حالت میں ایسی گفتگو کرتے ہیں جو دنیاداروں کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی محبت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❁❁❁

توضیح المعارف

مجتہدینِ کرام کا کام:

اوپر دنیاوی لحاظ سے "نَسَمَہ" کی کسی خاص قوت کی تہذیب میں کمال حاصل کرنے والوں مثلاً شاعر، فلسفی، کھلاڑی کا عوام سے فرق کا ذکر ہوا۔

اسی طرح انبیائے کرام کے بعد ان کے کامل مُتَّبِعِیْن (followers) میں سے بھی بعض ایسے تھے جن کی "نَسَمَہ" کی کسی خاص قوت میں استعداد بلند تھی اور ان کو انبیائے کرام علیہم السلام سے زیادہ مشابہت بھی حاصل تھی۔ ایسے حضرات نے اپنی فطری استعداد کے مطابق نسمہ کی کسی خاص قوت سے متعلق انبیائے کرام کے بتائے ہوئے بنیادی احکامات پر اپنی توجہ مرکوز کی۔ ان احکامات سے کچھ کُلِّیَّات (general laws) اخذ کئے۔ پھر ان کلیات سے ایسے نئے معاملات میں، جن کے بارے انبیائے کرام سے احکام منقول نہیں تھے، جزئی (specific) احکام مستنبط (deduce) کئے۔ ایسے حضرات کو "مجتہدین" کہا جاتا ہے۔ اس عمل سے کئی نئے علوم و فنون وجود میں آئے، جن کی بنیاد تو انبیائے کرام علیہم السلام کی نصوص پر ہے، لیکن فروعی مسائل براہِ راست ان سے منقول نہ تھے۔

اس امت میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اولین مجتہدین تھے۔ چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے دور کے حالات کے لحاظ سے ایسے اقدامات کئے۔ جو آپ ﷺ سے منقول

نہ تھے۔ یہ کام انہوں نے آپ ﷺ کی منشاء کے مطابق ہی کئے تھے۔ مثلاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منکرینِ زکوٰۃ سے جہاد، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خواتین کے مسجد میں نماز پڑھنے کو ناپسندیدہ قرار دینا، ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں (پر مستقل علیحدگی کا حکم) نافذ کرنا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا امت کو ایک مصحف پر جمع کرنا، جمعہ کی نماز کی پہلی اذان کا سلسلہ شروع کرنا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مسلمانوں کی آپس کی لڑائی کی صورت میں قواعد بنانا وغیرہ۔

آپ ﷺ کے صحابہ کرام کے بارے میں **"مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ"** (سنن ترمذی: 2641) کے عمومی حکم کے ساتھ خصوصی طور پر **"عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ"** (سنن ابن ماجہ: 42) کا علیحدہ حکم دینے میں شاید یہی مصلحت ہے کہ ان چاروں حضرات کی شانِ مجتہدیت امت پر واضح ہو اور امت کو ان معاملات میں بھی ان حضرات کا اتباع کرنے میں تردد (hesitation) نہ ہو جو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے براہ راست منقول نہیں ہیں۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد بھی امت میں با اِستعداد امتیوں کے اجتہاد کا سلسلہ جاری رہا۔ ان میں فقہ کے چار امام مشہور ہیں۔ لیکن اجتہاد کا یہ عمل صرف فقہ تک محدود نہ تھا۔ بلکہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے تمام علوم میں جاری رہا۔ ان میں سے چند علوم کے نام درج ذیل ہیں:

اسلامی علماء کے ہاں نَسَمَہ کی تہذیب سے متعلق علوم کے نام:

علم الکلام وہ علم ہے جس میں اسلامی عقائد پر عقل کی روشنی میں بحث کی جاتی ہے۔ اور اگر ان عقائد کی تشریح میں کشف سے مدد لی جائے تو اس کو عام طور پر **علم التصوف** کہتے ہیں۔

نوٹ: علم التصوف کی کتابوں میں عقائد کے بارے جو مباحث پائے جاتے ہیں، ان کا تعلق عقل سے ہے، جو نَسَمَہ کی قوتوں میں سے ہے۔ ان میں اور ان کے مآخذ یعنی اکابر صوفیاء کے وہبی علوم یا معرفت، جس کا منبع نَسَمَہ سے بالاتر ہے، میں بہت بڑا فرق ہے، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

قوتِ مُحَرِّکہ سے متعلق علم کا نام **فِقْہ** ہے۔ اور قوّتِ مُتَخَیِّلہ سے جس علم میں بحث کی جاتی ہے، یعنی جس میں خیال کی صفائی کے طریقے بیان ہوتے ہیں۔ اس کا نام **آداب التصفیۃ العزلۃ** ہے۔ قوّتِ واہمہ سے متعلق علم کا نام **علم الاَشغال والمُراقبات والنِّسب** ہے جو علمِ قلب سے متعلق ہے۔ جس علم میں انسان کے اخلاق اور فطری جذبات، احوال اور مقامات کی بات ہوتی ہے، اس کو **علم السلوک** کہتے ہیں۔

علم الکلام اور علم الفقہ کے علاوہ نَسَمَہ کی تہذیب سے متعلق مندرجہ بالا سارے علوم آج کل تصوف کے اصطلاحی نام کے تحت ہی بیان کئے جاتے ہیں۔

اجتہادی علوم کے بارے میں چند غلط فہمیاں اور ان کا حل:

1۔ ہر علم اور فن میں کچھ مبادی (preliminaries) ہیں۔ ان کا اس فن کے اصل مقاصد سے تعلق کیسا اور کتنا ہے، یہ اس فن کے ماہرین ہی بہتر طور پر جان سکتے ہیں۔ اس فن سے ناواقف

لوگ اکثر ان مبادی کو مقاصد سمجھ کر اعتراض کرتے ہیں اور اس کو بدعت سمجھ کر اس کے لئے نصوص سے دلیل مانگتے ہیں۔ مثلاً تصوف کے بعض سلاسل میں جاری ذکر بالجہر یا مراقبات جن کی حیثیت اس راہ پر چلنے والوں کے مقاصد کے لئے مَبَادی کی سی ہے۔

اس کو یوں سمجھ لیں کہ جیسے علم الفقہ جس میں شریعت کے احکام پر بحث ہوتی ہے، اگر اس کا طالب علم عربی گرامر پڑھ رہا ہو، تو کوئی اس کو بدعت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ عربی گرامر کا اس علم کے لئے مبادی یا preliminary subject ہونا سب کو واضح ہے۔ لیکن تصوف کے ماہرین، اپنے تجربات اور بصیرت کی روشنی میں اس راہ کے سالکوں کے لئے جو اشغال و مراقبات یا ذکر بالجہر (اونچی آواز میں خوش آوازی سے ذکر کرنا) تجویز کرتے ہیں، ان کا تصوف کے مقاصد (للّٰہیت، خشوع خضوع وغیرہ) سے تعلق، ہر کسی کو پہلی نظر میں معلوم ہونا ضروری نہیں۔

2. اسی طرح بعض اوقات فن سے ناواقف لوگ اس فن کے مبادی کو بدعت تو نہیں لیکن لغو قرار دیتے ہیں۔ اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ بعض اوقات مبادی کا مقاصد سے تعلق اتنا مخفی ہوتا ہے کہ اعتراض کرنے والے پر یہ تعلق نہیں کھل پاتا۔ مثلاً یہ بات کہ عربی گرامر کے قواعد یا زمانہ جاہلیت کے عرب اشعار کے کلام سے فقہ کے مقاصد مثلاً احکام کا فرض یا واجب ہونے کا کیا تعلق ہے؟ یہی حال نَسَمَہ کی تہذیب کے دوسرے شعبوں کا بھی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ دین کے ان مختلف شعبوں کے اوپر اعتراضات کا ایک بڑا حصہ محض ناواقفیت پر مبنی ہے۔ ان میں سے ہر شعبے کی بنیاد نصوص پر قائم ہے۔ اور ہر شعبے میں کچھ فروعی مسائل اور کچھ مبادی ہیں۔ فروعی مسائل کو صحیح یا غلط اور بدعت قرار دینے میں جلدی کرنے کے بجائے، ان مسائل کو مستنبط (derive) کرنے میں، اس شعبے کے ماہر یا مجتہد کے طرزِ استدلال

(method of reasoning) سے واقفیت حاصل کرنا چاہئے۔ یہ طرزِ استدلال ہر شعبے کا اپنا اپنا ہوتا ہے۔ بہر حال یہ فروعی مسائل پھر بھی ظنی ہی رہتے ہیں۔ اور ان مسائل کے صحیح ہونے کے گمان غالب پر عمل کرنے والے یا دلائل کی بنیاد پر اس پر اختلاف کرنے والے دونوں گروہ اہل حق میں سے ہی رہتے ہیں۔ جہاں تک مبادی یا ذرائع کا تعلق ہے، ان کا criteria (جانچ کا اصول) یہی ہے کہ ان سے مقاصد حاصل ہونے میں کتنی مدد ملتی ہے۔ جو فن کے ماہرین ہی بتا سکتے ہیں۔

ایک ضروری تنبیہ: جیسا کہ بیان ہوا، دین کے مختلف فرقوں یا شعبوں میں اختلاف بعض دفعہ فروعی ہوتے ہیں۔ مثلاً فقہ کے ائمہ (امام کی جمع) کا اختلاف، تصوف کے سلاسل کے درمیان اختلاف، تبلیغ اور جہاد کے طریقہ کار میں اختلاف۔ اس اختلاف میں وسعت ہے۔ لیکن بعض اختلافات اصولی ہوتے ہیں، جیسے شیعہ اور سنی کا اختلاف۔ تصوف کے اندر جائز اور ناجائز ذرائع استعمال کرنے والے کے درمیان اختلاف۔ ناجائز ذرائع استعمال کرنے کی مثال شراب اور نشہ آور چیزوں سے مراقبات میں مدد لینا وغیرہ۔ ان صورتوں میں ایک ہی فریق حق پر ہوتا ہے جس کو ماننا اور دوسرے کو جھٹلانا ضروری ہے۔

ان دونوں اختلافوں کو الگ الگ مرتبے پر رکھنا ضروری ہے۔

ظاہرِ شریعت اور باطنِ شریعت کیا ہے؟

نسمہ کی تہذیب سے جن علوم کا تعلق ہے، وہ تمام کے تمام ظاہرِ شریعت میں شامل ہیں۔ ان میں علم الفقہ، علم التصوف، علم الکلام وغیرہ سب برابر ہیں۔ جس طرح فقہ میں نصوص سے مستنبط (derived) فروعی مسائل، اور نصوص سے ہی ثابت مقاصد کے ذرائع اور مبادی سب ظاہرِ شریعت میں شامل ہیں۔ اس طرح تصوف و سلوک کے مقاصد یعنی اخلاقِ حمیدہ کا حصول اور

اخلاقِ رذیلہ سے خلاصی، اور اس کے فروعی مسائل اور مبادی بھی سارے کے سارے ظاہرِ شریعت میں داخل ہیں۔

اوپر والی بات سمجھنے کے بعد اگلا سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر باطنِ شریعت سے کیا مراد ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل مثال سمجھ لیں:

گفتگو کا ایک سادہ مطلب وہ ہوتا ہے جو بات کرنے والا مخاطب کو بتاتا (communicate کرتا) ہے اور سننے والے سے اس پر عمل کروانا چاہتا ہے۔ اور اسی بات کا ایک مطلب وہ ہوتا ہے جو خود اس پر عمل (کی implication ہوتی) ہے۔ مثلاً بولنے والا فقیر کو کچھ دینے کا بتائے۔ اس کا ایک مطلب ظاہر ہے کہ فقیر کو کچھ دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے اگر کوئی یہ سمجھے کہ مجھ سے سخاوت اختیار کرنے کا مطالبہ ہے۔ تو یہ اس کا باطنی مطلب ہو گا، جو بالکل درست ہو گا۔ اسی طرح کسی کو سلام کرنے سے اس کی تعظیم مراد لینا اس کا باطنی مطلب ہو گا۔ اس قسم کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

باطنِ شریعت کی مزید تفصیل وہبی کمالات کے سلسلے میں آئے گی۔

شریعتِ مطہرہ کی رہنمائی میں نَسَمَہ کی قوتوں کی تہذیب کا تدریجی عمل:

شریعتِ مطہرہ پر عمل سے نَسَمَہ کی ہر قوت کی تدریجاً (gradually, step by step) تہذیب اور ترقی ہوتی ہے۔ تہذیب سے مراد کسی صلاحیت کو organize (منظم) کر کے حقیقی مصرف میں استعمال کرنا اور افراط تفریط یا randomness سے بچنا ہے۔ ذیل میں اس عمل (process) کی تفصیل بیان ہو گی۔

تہذیب واصلاح کا ابتدائی درجہ:

جب نفسِ ناطقہ اپنے مختلف اشغال اور اعمال کے ضمن میں نَسَمَہ کی کسی خاص قوت سے بقدر ضرورت کام لے رہا ہو۔ تو اس صورت میں اس قوت کی تہذیب کا ابتدائی درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

تہذیب واصلاح کا درمیانی درجہ:

جب نفسِ ناطقہ، نسمہ کی کسی قوت سے اس طور پر کام لے کہ اس قوت کا استعمال ہی مقصود ہو جائے۔ باقی سب چیزوں سے الگ ہو کر اسی خاص قوت کی تکمیل میں ہی انسان منہمک ہو جائے تو اس صورت میں نَسَمَہ کی اس قوت کی تہذیب کا درمیانی درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

تہذیب واصلاح کا انتہائی یا آخری درجہ:

نَسَمَہ کی قوتوں کی تہذیب کا آخری درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اللہ کی طرف سے اس خاص قوت کے استعمال کے مواقع میں غیبی تائید ہونے لگے۔ اس وقت اس قوت کے استعمال کے نتائج، بہت مثبت انداز میں اور وسیع پیمانے پر با آسانی (effortlessly) حاصل ہونے لگتے ہیں۔ یہ نَسَمَہ کی کسی بھی قوت کی تہذیب کا آخری درجہ ہے۔

1. قوتِ عاقلہ کی تہذیب:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اَلْطَافُ الْقُدُس" میں عقل کا بنیادی کام تمیز و تفتیش یا (differentiate and analyze) کرنا بتایا گیا ہے۔ عقل نفسانی بھی ہو سکتی ہے اور ایمانی بھی۔ جو عقل نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں استعمال ہو، اسے عقلِ نفسانی اور جو ایمان

کے نور سے منور ہو کر اس کے تقاضے پورے کرے، اسے عقلِ ایمانی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے انسانی عقل کے استعمال (application) کے لئے جو میدان دیا گیا ہے، وہ تین بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کو ماننے اور ان پر غور و فکر سے آغاز کر کے بالآخر ان پر یقین کے اعلیٰ ترین درجات تک پہنچنا ہے۔

پہلا درجہ (level) مومن:

"مومن" قرآن پاک کے تین (3) بنیادی مضامین توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق عقائد کو دل سے مان کر، ان پر سوچ بچار کا آغاز کرتا ہے۔ مثلاً وہ اللہ کی اعلیٰ صفات کے بارے میں سوچتا رہتا ہے، انبیائے کرام کی محبت اور احترام کی اہمیت، ان کی پیروی کی ضرورت پر اپنے آپ کو قائل (convince) کرتا ہے۔ اسی طرح عقیدۂ آخرت کے متعلق سوچنے سے انسان کی اپنے اعمال کی جواب دہی (accountability)، سزا و جزا کی ضرورت اور اہمیت اس پر کھل جاتی ہے۔

درمیانی درجہ (level)۔ عالم:

اس درجے تک پہنچنے والے کی قوتِ عقلیہ کا، عقائد کی بنیاد پر سوچ بچار اور analysis (تجزیہ) کرنا، مستقل مشغلہ بن جاتا ہے۔ مغربی ممالک کے ذہین نو مسلموں کی روز مرہ زندگی میں اس قسم کی سوچ بچار کا اثر بہت واضح نظر آتا ہے۔

اس درجہ والا شخص عقائد سے متعلق اکابر صوفیاء کرام اور علماء (متکلمین) کی معرفت اور دلائل کی تحریروں سے استفادہ کرتا ہے۔ اس میں ان عقائد (ذات و صفاتِ باری، رسالت اور آخرت) سے متعلق مختلف امور میں فرق کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً:

عقیدۂ توحید پر غور کرتے کرتے وہ اللہ کے حقیقی اور انسان کے مجازی کمالات میں فرق سمجھنے لگتا ہے۔ اس معاملے میں صوفیاء (مثلاً حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کی اصطلاحات "اصل" اور "ظِل" (shadow) سے واقف ہو جاتا ہے۔

اسی طرح عقیدۂ رسالت پر غور کرنے سے انبیائے کرام کی وحی اور صوفیائے کرام کے الہام میں فرق کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح علم کسبی جو باقاعدہ طور پر کتابوں اور استادوں سے سیکھا جاتا ہے اور اللہ کی طرف سے براہِ راست ملنے والے علمِ لدنی میں فرق کرنے لگتا ہے۔

تیسرا درجہ (level) اَلرَّاسِخ فی العِلم:

اس درجے میں اوپر جن چیزوں کے مابین تمیز یا فرق کرنے کی صلاحیت حاصل کر لی تھی، اب اس پر، اس فرق کی حقیقت اور وجہ کھل (revealed ہو) جاتی ہے۔

مثلاً اس پر کھل جاتا ہے کہ مختلف انبیائے کرام (یا مجددین) کے پیغام اور اصطلاحات میں فرق کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ ان حضرات کی زبانوں سے ان کے دور کے حالات کے مطابق پیغام جاری فرماتا ہے۔ ایسا شخص ان مختلف ادوار اور حالات کے تقاضوں سے ان پیغامات (بظاہر آپس میں مختلف) کا تعلق سمجھ لیتا ہے۔ اور یہ بھی کہ فی الحقیقت اصل اور بنیادی پیغام اور اس کا منبع (source) ایک ہی ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ ایسے تمام حقائق قوّتِ عاقلہ کے اس درجے پر فائز شخص پر revealed (وارد، منکشف) ہوتے ہیں، یہ evolved (تجربے اور مشاہدے سے حاصل شدہ) نہیں ہوتے۔ ایسا شخص ان کا محض اظہار یا نقل (narration) کرتا ہے۔ یہ دلائل کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ دلائل سے فی الاصل اس کو سروکار نہیں ہوتا۔ البتہ اپنے اوپر ان منکشف (revealed) حقائق کو دوسروں کو سمجھانے کے لئے کبھی دلائل کا استعمال بھی کر سکتا ہے۔

آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جمعہ کے خطبات کا رنگ کچھ یوں ہوتا تھا جیسے اوپر سے آیا ہوا پیغام بطور شاہی نمائندہ، سامعین کو پہنچایا جارہا ہو۔ ایسی صورتحال میں دلائل دینے کی گنجائش اور موقع نہیں ہوتا۔

ایسے حضرات کو **الرّاسخون فی العلم** کہتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ان ہی حضرات میں سے تھے۔ اسی لئے انہوں نے اپنی کتاب "اَلطافُ القُدُس" میں عقل پر اس قسم کے وہبی علوم کے وارد ہونے کا mechanism (طریقۂ کار) سمجھایا ہے۔

2. قوّتِ واہِمہ کی تہذیب:

اوپر انبیائے کرام علیہم السلام کے بیان کردہ عقائد کا قوّتِ عقلیہ کی تہذیب میں مرکزی کردار (role) بیان ہوا۔ کتاب کے دوسرے باب کے آغاز میں قوّتِ واہِمہ کی بیان کردہ تعریف یاد رکھیں کہ یہ وہ صلاحیت ہے جس سے جزئی، غیر مادی چیزوں کا ادراک ہوتا ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے لائے ہوئے بنیادی عقائد چونکہ غیب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو کہ نامحسوس ہوتے ہیں۔ مثلاً آخرت کی تمام نعمتیں اور عذاب، جن کا وعدہ ہے، ہمارے لئے غیب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انسانی حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اب ایک ایسا تربیتی نظام

جس سے یہ نا محسوس، محسوس کی طرح ہو جائے، انبیائے کرام علیہم السلام کے ماننے والوں کی ضرورت ہے۔ نَسَمَہ کے اندر قوّتِ واہِمہ کی faculty (شعبہ)، جو غیر مادی امور کا ادراک کر سکتی ہے، اس مقصد کے لئے استعمال ہو سکتی ہے۔ صوفیائے کرام نے جو مراقبات کا نظام مقرر کیا ہے وہ نَسَمَہ کی قوّتِ واہِمہ پر اثر انداز ہو کر غیب سے تعلق کو بڑھا سکتا ہے۔ اب اِس قوّت کی تہذیب کے لحاظ سے مختلف درجات بیان ہوں گے۔

پہلا درجہ۔ صاحبِ کیفیت:

اس درجے میں اعمال مثلاً وضو، عبادات اور صحبتِ صالحین سے متعلق لطیف، پاکیزہ کیفیات کا ادراک ہونے لگتا ہے۔ اور غیب کی طرف توجہ اور شوق پیدا ہونے لگتا ہے۔ جیسے مقناطیس سے لوہے میں کھچاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔

دوسرا درجہ۔ صاحبِ مراقبہ:

اس درجے میں اعمال اور اذکار کے اوقات کے علاوہ بھی غیب کی طرف خصوصی توجہ کرنے کی قدرت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے شخص کو صاحبِ مراقبہ کہتے ہیں۔

تیسرا درجہ۔ صاحبِ دوام حضور:

اس درجے والے کی غیب کی طرف توجہ مستقل ہو جاتی ہے، دوسرے مشاغل اس کو متاثر نہیں کرتے۔ توجہ کی یہ کیفیت تصور اور تصدیق (قوّتِ عاقلہ سے متعلق امور) کی طرح نہیں ہے، بلکہ یہ کیفیت التفات، کسی پیاسے کو لگی ہوئی پانی کی لو یا دھن کی طرح ہوتی ہے۔

اس مرتبے والے کو تصرّف اور ہمت کی خاصیت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

تصرف: صاحب دوام حضور اپنی قوّتِ واہِمہ کو کسی دوسرے کی قوّتِ واہِمہ سے connect کر کے، اپنی واہِمہ کی کسی کیفیت کا اثر اس میں پیدا کر سکتا ہے۔ اس کو عام لوگ توجہ کہتے ہیں۔

ہمت: صاحبِ دوام حضور کی قوّتِ واہِمہ میں یہ قدرت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اس کے ذریعے کسی مفید چیز کو حاصل یا نقصان دہ چیز سے بچاؤ کر سکتا ہے۔

3۔ قوّتِ متخیّلہ کی تہذیب:

ابتدائی درجہ

اس درجے والے کو عبادت اور شرعی اعمال کی مصروفیت کی وجہ سے دل کے وسوسوں (random thoughts) کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہیں ملتی۔

درمیانی درجہ :

اس درجہ والا اپنے دل کو ان وسوسوں سے خالی رکھنے کے لئے عملی اَقدام اٹھاتا ہے۔ یعنی وہ اپنی اُن دنیاوی دلچسپیوں اور social gathering (لوگوں سے میل جول) کو محدود کرتا ہے، جہاں سے یہ خیالات دل میں آتے ہیں۔

مثلاً جو لوگ نماز میں وساوس کی شکایت کرتے ہیں، ان کو اپنے نماز سے باہر کے حالات کا جائزہ لینا پڑے گا۔ کیونکہ جیسے ایک ہموار زمین (جس پر پانی پڑا ہو) میں اگر ایک گڑھا کھودا جائے تو پانی خود بخود اس گڑھے میں جانا شروع ہو جائے گا۔ اسی طرح ہمارے روز مرّہ زندگی کے

خیالات، جو پانی کی طرح ہیں، کے لیے نماز کا عمل ایک گڑھے کی مانند ہے، جس کی طرف خیالات کا آنا قدرتی (natural) ہے۔

انتہائی درجہ:

قوّتِ متخیّلہ کی تہذیب کا آخری درجہ کشف کا حاصل ہونا ہے۔ کشف عام طور پر چھپی ہوئی چیزوں کا بغیر کسی ذریعہ (instrument) کے کسی پر ظاہر ہونے کو کہتے ہیں۔ کشف کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ کشف بالکل واضح ہو بلکہ یہ اشاروں اور تمثیلات کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے سمجھنے کے لیے کشف والے کی اپنی عقل یا کسی کامل کی بصیرت درکار ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے حضرت سے اپنے کشف کے بارے میں دریافت کیا جس کی تعبیر خود اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔ اس مرید نے اپنی نماز کو نظرِ کشفی میں ایک حسین حور کی صورت میں دیکھا تھا، جو اندھی تھی۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بتایا کہ یہ نماز میں ان کی آنکھیں بند کرنے کے نقص کی طرف اشارہ تھا۔

کشف کے ذریعہ شریعت سے ثابت شدہ کسی بات میں تبدیلی نہیں آ سکتی۔ البتہ اگر صاحبِ کشف مستند ہو، تو اس کا کشف شریعت کی تشریح کر سکتا ہے۔ قوّتِ خیال کا یہ آخری درجہ بھی نَسَمَہ کی باقی قوتوں کے انتہائی درجات کی طرح وہبی اور من جانب اللہ ہوتا ہے۔ اس کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔

نوٹ:

کشف کی ایک اعلیٰ قسم جس کا عموماً تذکرہ نہیں ہوتا، شَرحِ صدر ہے۔ شَرحِ صدر سے یہاں مراد دین کی کسی بات مثلاً تصوف کے کسی ذریعے کے بارے میں علمی دلیل پر دل کا اس

طرح مطمئن ہو جاناہے کہ اس پر عمل میں یکسوئی پیدا ہو جائے یہاں تک کہ کسی بڑے چھوٹے کی مخالفت یا ناراضگی کے ڈر کا ذرہ برابر اثر نہ رہے۔ اس کو علمی کشف کہہ سکتے ہیں۔ جن حضرات سے اللہ نے کوئی خاص کام لینا ہوتا ہے، ان کو یہ چیز دے دی جاتی ہے۔ اس کی اہمیت اِس سے ظاہر ہے کہ قرآن پاک میں ایک پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا اس (مقصد) کے لیے منقول ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ﴾ (طٰہٰ:25)

ترجمہ: "موسیٰ نے کہا: پروردگار! میری خاطر میرا سینہ کھول دیجیے"

4. قوتِ عازمہ کی تہذیب

قوت عازمہ (will power) کا قلب سے تعلق ہوتا ہے۔

پہلا درجہ۔ مہذب الاخلاق:

اس درجے میں اخلاق میں افراط تفریط دور ہونے لگتی ہے۔ غصہ اور شہوت وغیرہ میں اعتدال حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص اچھی اور پسندیدہ معروف عادات کے حصول میں لگ جاتا ہے۔

دوسرا درجہ۔ صاحبِ حال:

اس درجہ والے کی قلب پر مستقل نظر مرکوز ہوتی ہے۔ وہ قلبی کیفیات اور احوال (مثلاً رجا و خوف، محبتِ حق) کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں بیرونی محرکات (external stimuli) جیسے عارفانہ کلام، یا محبت کے واقعات پڑھنے سے مدد لیتا ہے۔ ایسا کلام ایسی کیفیات کا مفہوم دل میں اتار دیتا ہے اور ان کے اثرات کو اجاگر کرتا ہے

تیسرا درجہ۔ صاحبِ مقام:

اس درجے میں نفس کے فوری تقاضے (مثلاً بد نظری وغیرہ) کی اپنی قوت ارادی سے مخالفت کی جاتی ہے، جو قلب پر منفی اثر ڈالتی ہیں تاکہ مندرجہ بالا کیفیات اس کے دل کی گہرائی میں اتر کر اِستادہ (establish) ہو جائیں۔ جس سے دوسرے پاکیزہ مقامات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً محبت کا جذبہ جب دل میں اتر جائے تو اس سے صبر، شکر اور توکل کے مقامات یا مَلَکات پیدا ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس درجے میں قلبی کیفیات کا سلوک اور مجاہدے کے بعد نفس پر عملی نفاذ ہو جاتا ہے۔

مشائخِ سلوک میں سے حضراتِ نقشبندیہ کی تربیت کا نظام بنیادی طور پر دل کی انہی کیفیات سے متعلق ہے جو مراقبات، اذکار، اشغال وغیرہ سے پیدا کی جاتی ہیں۔ پھر سالک سے انہی کیفیاتِ قلب کی نگرانی (monitoring) کے ضمن میں قوّتِ ارادی کا استعمال کروایا جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعے ان کا عملی نفاذ نفس (قوّتِ محرّکہ) پر ہو جائے۔ اور صاحبِ حال صاحبِ مقام بن جائے۔

5. قوّتِ محرّکہ کی تہذیب:

پہلا درجہ۔ مطیع:

قوّتِ محرکہ کی تہذیب کے اس درجے میں عملی زندگی میں جائز اور ناجائز کی تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ گو اپنی مرغوب چیزوں کی چاہت اس میں رہتی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں نفس کی بات کو فائنل نہیں سمجھتا بلکہ شریعت کی اجازت کو مدنظر رکھتا ہے۔

دوسرا درجہ۔ عابد

اس درجہ والا اپنے اوقات اور اپنے مال کو ایسے نظم (manage) کرتا ہے کہ وہ تمام کے تمام مفید کاموں میں استعمال ہوں۔ اس کا نفس عبادت میں خلل نہ ڈال سکے۔ اس کی ایک مثال سفر کے دوران اپنے وضو کی نگہداشت کرنے کی ہے تاکہ سفر کے حالات کی وجہ سے نماز کی ادائیگی میں کوئی خلل نہ آسکے۔ خلاصہ یہ کہ عبدیت یا بندگی اس کی اولین ترجیح (top priority) بن جاتی ہے۔

تیسرا درجہ۔ صاحبِ مجاہدہ (زاہد):

قوّتِ محرّکہ کی تہذیب کے اس درجے کو حاصل کرنے والا اپنے نفس کو کنٹرول کرنے کے لئے مجاہدات (قلّتِ کلام، قلّتِ طعام اور قِلّتِ منام) اختیار کر کے نفس پر اس کی قوت کے مطابق بوجھ ڈالتا ہے اور اس کو مشقّت کا عادی بناتا ہے۔ اس قسم کا مجاہدہ وقتی دنیاوی ضرورت کے لئے دنیادار حضرات بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً اپنے موٹاپے کو قابو میں رکھنے کے لئے آج کل بالخصوص خواتین میں dieting کا trend (رجحان) عام ہے۔

❁❁❁

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی کے شب و روز

الحمد للہ، خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کے دروس و خطبات کا سلسلہ نہایت پابندی کے ساتھ جاری و ساری ہے جس سے طالبانِ حق مسلسل سیر اب ہو رہے ہیں۔ دروس کی تفصیل درج ذیل ہے:

آج کی بات:

روزانہ صبح بعد از نمازِ فجر تین مختصر بیانات ہوتے ہیں

- درسِ قرآن
- ریاض الصالحین سے ایک حدیث شریف کی تعلیم
- مطالعہ سیرت بصورت سوال

جمعۃ المبارک:

- کسی ایک مسجد میں جمعہ کا بیان
- ختمِ قرآن، مجلس درود شریف اور اس کے بعد جمعہ کی آخری گھڑیوں میں دعا (عصر اور مغرب کے درمیان)

ہفتہ:

- حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب **"سلوکِ سلیمانی"** اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب **"تربیت السالک"** کا درس (بعد نمازِ مغرب)
- بعد از عصر (ہفتہ) تا اشراق (اتوار) تک مرد حضرات کے لیے خانقاہ میں اصلاحی و تربیتی جوڑ ہوتا ہے، جس کے معمولات یہ ہیں: نمازِ عصر کے بعد انفرادی ذکر، نمازِ مغرب اور اوابین کے بعد جوڑ بیان اور مجلس ذکر میں شرکت، نمازِ عشاء کے بعد منزلِ جدید کی تلاوت، سورہ ملک کی تلاوت، ختمِ خواجگان، مجلسِ درود شریف، حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "**اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ**" سے تعلیم، کھانے پینے اور سونے کے آداب و سنن کی تعلیم، کھانا، آرام، نمازِ تہجد اور انفرادی معمولات، ختمِ قرآن اور نمازِ اشراق

اتوار:

- (خواتین کے لیے اصلاحی بیان) دن 11 سے 12 بجے تک خانقاہ میں شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ۔

نوٹ: ہر ماہ میں کسی ایک اتوار کو خانقاہ میں صبح 9 سے 12 بجے تک تین گھنٹے کا خواتین کیلئے اصلاحی و تربیتی خصوصی جوڑ ہوتا ہے۔

- فرض عین علم کی تعلیم (بعد نمازِ مغرب)
- انگریزی میں بیان (رات 8 بجے)

پیر:

- پشتو میں بیان (بعد نمازِ عصر)
- اصلاح و تربیت کے متعلق (بذریعہ وٹس ایپ، ای میل اور ٹیلی فون پر موصول ہونے والے) سوالات کے جوابات (بعد نمازِ مغرب)

منگل:

- مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب مثنوی شریف کا درس (بعد نمازِ مغرب)

بدھ:

- حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریفہ سے درس (بعد نمازِ مغرب)

جمعرات:

- حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب **"سیرت النبی ﷺ"** سے درس (بعد نمازِ مغرب)
- درود شریف کی مجلس (درودِ تنجینا ایک ہزار مرتبہ، اس کے بعد نعت شریف، چہل درود شریف کی سماعت اور مناجاتِ مقبول سے دعا)

❁❁❁

بزرگوں کی تحریریں کیوں پڑھنی چاہئیں؟

بزرگوں کی تحریریں اُن کی زندگی کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ ہم ہزاروں تجربات کرکے جس چیز تک نہیں پہنچ سکتے ان کی تحریروں سے ہم اُن چیزوں تک آناً فاناً پہنچ سکتے ہیں۔ اس وجہ سے بزرگوں کی ان تحریروں میں ریسرچ کرنا جس سے ہمارا یہ مقصد حاصل ہوتا ہو بہت مفید ہے۔ پھر ان میں مجددین حضرات کا رنگ بالکل الگ ہوتا ہے کیونکہ مجددین حضرات کی تحقیقات عمومی دین کے لئے ہوتی ہیں جو کہ اس وقت کے لوگوں کی سطح کے مطابق پیدا شدہ فروگزاشتوں کو دور کرکے دین کو اصلی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔

اگر صرف ایک آخری مجدد کی اتباع کی جائے تو وہ بھی کافی ہوتی ہے لیکن اگر چند متواتر مجددین کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے حالات کے مطابق مطلوبہ تبدیلی لانے کا فن آشکارہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد اگر کوئی تبدیلی آتی ہے تو اس کے لئے "by the process of extrapolation" حل ڈھونڈنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں ہم نے اپنے ان اکابر کے فیوضات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ قلب، عقل اور نفس کی اصلاح کے متعلق راہنمائی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلبی اعمال بہت اونچے تھے جو کہ قلبی واردات والے حضرات کی راہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقلی اعمال بہت زیادہ اونچے تھے۔ اس وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کا فائدہ اُن لوگوں کو زیادہ ہوتا ہے جن کی عقلیں بہت آگے کا سوچتی ہیں۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صفائی نفس کے اعمال بہت اعلیٰ تھے اس وجہ سے حضرت کی تعلیمات نفس کی صفائی کے کاموں میں مشعلِ راہ ہیں۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات آج کل کے منطقی موشگافیوں کے جوابات کے لئے ماحول بنانے اور صلاحیت پیدا کرنے کے لئے مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کی تعلیمات سے پورا پورا مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

051 5470582 0332 5289274

sshabirkakakhel@gmail.com,
sshabir@tazkia.org

حضرت شاہ صاحب مدظلہ کو سوالات بھیجنے کیلئے 0315 5195788

www.tazkia.org